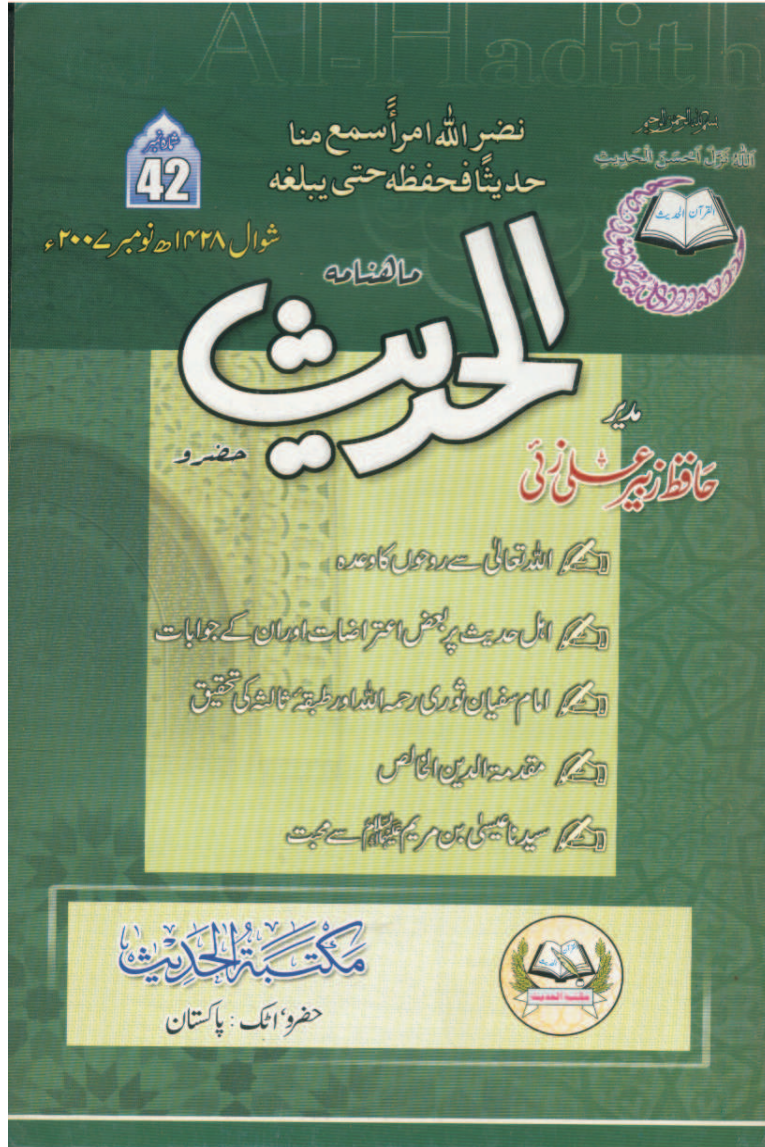


MAKTABA TUL HADITH HAZRO

By Alhadith at 10:33:19 PM, 3/26/2015



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

0300-5335233

معاونین

حافظ ندیم ظہیر 0301-6603296
محمد صفدر حفزوی 0334-5606841

ابو خالد شاکر

اللَّهُ تَعَالَى أَحْسَنُ الْحَدِيثِ

الحديث

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 4 | شوال 1428ھ | نومبر 2007ء | شمارہ: 11

اسی
شمارے میں

2	حافظ زبیر علی زئی	فقہ الحدیث
10	حافظ زبیر علی زئی	اہل حدیث پر.....
23	حافظ زبیر علی زئی	توضیح الاحکام
31	حافظ زبیر علی زئی	مقدمۃ الدین الجالس
37	حافظ زبیر علی زئی	تذکرۃ الاعیان
46	محمد صدیق رضا	امت مصطفیٰ اور شرک
54	محمد صدیق رضا	غیر ثابت قصے
61	حافظ شیر محمد	محبت ہی محبت
65	حافظ زبیر علی زئی	بدشگونی کچھ بھی نہیں

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے
سالانہ : 150 روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاکستان: مع محصول ڈاک
200 روپے

برائے رابطہ

مکتبہ الحدیث
حضرت ضلع انک

ناشر: حافظ شیر محمد
0300-5288783

تمام اشاعت
مکتبہ الحدیث
حضرت ضلع انک

حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصباح

اللہ سے روحوں کا وعدہ

الفصل الثالث

(۱۱۹) وعن أبي الدرداء عن النبي ﷺ قال: ((خلق الله آدم حين خلقه، فضرب كتفه اليمنى فأخرج ذرية بيضاء كأنهم الدر، وضرب كتفه اليسرى فأخرج ذرية سوداء كأنهم الحمم، فقال للذي في يمينه: إلى الجنة ولا أبالي، وقال للذي في كتفه اليسرى: إلى النار ولا أبالي. رواه أحمد.)

(سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا دایاں کندھا ہلایا پھر اس سے چیونٹیوں جیسی سفید اولاد نکالی اور بائیں کندھا ہلایا تو اس سے کونکے جیسی کالی سیاہ اولاد نکالی۔ پھر (کندھے کے) دائیں طرف والوں کے بارے میں فرمایا: جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، اور بائیں کندھے والوں کے بارے میں فرمایا: جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

اسے احمد (۴۴۱/۶ ج ۲۸۰۳۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ ابوالربیع سلیمان بن عتبہ السلمی جمہور محدثین کے نزدیک موثق راوی ہیں لہذا وہ قول راجح میں حسن الحدیث ہیں۔ ”الموسوعة الحديثية“ (۴۸۱/۴۵) کے محقق یا محققین کا ابوالربیع مذکور پر جرح کرنا غلط ہے۔ یشتم بن خارجہ بھی ثقہ و صدوق ہیں اور باقی سند صحیح لذاتہ ہے۔

فقہ الحدیث:

- ① انسانوں کی پیدائش سے پہلے تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔
- ② اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں بلکہ ہر چیز کو اس کا علم و قدرت محیط ہے۔

③ اس حدیث اور دیگر احادیث سے دائیں جانب کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔
(۱۲۰) وعن أبي نضرة أن رجلاً من أصحاب النبي ﷺ يقال له: أبو عبد الله،
دخل عليه أصحابه يعودونه وهو يبكي، فقالوا له: ما يبكيك؟ ألم
يقول لك رسول الله ﷺ: ((خذ من شاربك ثم أقره حتى تلقاني؟))
قال: بلى ولكن سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((إن الله عز وجل
قبض بيمينه قبضة وأخرى باليد الأخرى وقال: هذه لهذه وهذه
لهذه ولا أبالي)) ولا أدري في أي القبضتين أنا؟ رواه أحمد.

ابونضرہ (منذر بن مالک، تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ
میں سے ابوعبداللہ نامی ایک صحابی کے پاس جب ان کے ساتھی بیمار پرسی کے لئے
گئے تو وہ رو رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا رسول اللہ
ﷺ نے آپ سے نہیں فرمایا تھا کہ ہمیشہ اپنی مونچھوں میں سے کاٹے رہو حتیٰ کہ
مجھ سے آملو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو
فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک مٹھی لی اور بائیں ہاتھ
سے دوسری مٹھی لی اور فرمایا: ”یہ اس (جنت) کے لئے ہیں اور یہ اس (جہنم) کے
لئے ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔“ مجھے یہ پتا نہیں کہ میں کس مٹھی میں سے ہوں!۔
اسے احمد (۶۷۴ ج ۱، ۳۶۷ ج ۱، ۵۸۷ ج ۲، ۲۰۹۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور صحابی کا نام معلوم نہ ہونا ذرا بھی مضرت نہیں
ہے کیونکہ تمام صحابہ کرام عدول (سچے) تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین
فقہ الحدیث:

- ① اس حدیث سے بھی تقدیر کا برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔
- ② یہ حدیث اور سابقہ حدیث ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔
- ③ چاہے کتنا ہی بڑا نیک انسان ہو لیکن اپنے نیک اعمال پر کبھی فخر نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر

وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

۴) اللہ کا ہاتھ اور مٹھی اُس کی صفات ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان صفات کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بعض گمراہ لوگ مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور بعض گمراہ تاویل وغیرہ کر کے ان صفات کا انکار کر دیتے ہیں، ان دونوں گروہوں کا یہ طرز عمل قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے متفقہ فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

۵) اصل کامیاب وہ لوگ ہیں جو مرنے کے بعد جنت میں اپنے محبوب اور امام سیدنا رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں گے۔ فداہ ابی وادی وروجی

(۱۲۱) وعن ابن عباس رضي الله عنه ، عن النبي ﷺ قال :

((أخذ الله الميثاق من ظهر آدم بنعمان - يعني عرفة - فأخرج من صلبه كل ذرية ذرأها فنشرهم بين يديه كالذر ثم كلمهم قُبلاً قال : ﴿الْأَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوا بَلَى ۖ شَهِدْنَا ۚ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ فَتُهلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ۝)) رواه أحمد .

(سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے نعمان (کی وادی) یعنی عرفات کے پاس وعدہ لیا۔ اللہ نے آدم کی پشت سے ساری (ہونے والی) اولاد کو نکالا اور ان کے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلا دیا پھر اُن سے روبرو کلام کیا، فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! (تُو ہمارا رب ہے) ہم نے گواہی دی۔ تاکہ تم روز قیامت یہ نہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے، یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے آباء و اجداد نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے، کیا تم باطل کام کرنے والوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرتے ہو؟

اسے احمد (۲۷۱ ج ۲۵۵) نے روایت کیا ہے۔
تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔ کلثوم بن جبر صحیح مسلم کے راوی اور
جمہور کے نزدیک موثق ہیں لہذا حسن الحدیث ہیں۔ جریر بن حازم کو حافظ ابن حجر نے مدلسین
کے طبقہ اولیٰ میں ذکر کیا ہے لیکن قول راجح میں وہ مدلس نہیں بلکہ تدلیس سے بری ہیں۔
دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۲۱)
ان پر تدلیس کا الزام یحییٰ بن عبد الحمید الحماني نے لگایا تھا اور یہ یحییٰ الحماني بذاتِ خود
سخت ضعیف بلکہ ساقط العدالت راوی ہے لہذا اس کی جرح مردود ہے۔
اس حدیث کو امام احمد کے علاوہ ابن ابی عاصم (السنۃ: ۲۰۲) نسائی (السنن الکبریٰ: ۱۱۱۹۱)،
وقال: وکلثوم هذا ليس بالقوي وحديثه ليس بالمحفوظ (حاکم المستدرک
۵۴۶/۲، ۲۷۱) اور بیہقی (الاسماء والصفات ص ۳۲۶، ۳۲۷) وغیرہم نے بیان کر رکھا
ہے۔ حاکم اور ذہبی دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس روایت پر امام نسائی کی جرح صحیح نہیں
ہے اور قول راجح میں یہ حدیث موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح سے صحیح و حسن ہے۔
فقہ الحدیث:

- ① یہ حدیث سورۃ الاعراف کی آیت (۱۷۲-۱۷۳) کی تفسیر ہے۔
- ② موقوف روایت تفسیر ابن جریر الطبری (۷۹/۷) میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے۔
- ③ اسلام دینِ فطرت ہے۔

۱۲۲) وعن أبي بن كعب في قول الله عز وجل: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ قال: جمعهم فجعلهم أزواجاً ثم صورهم فاستنطقهم فتكلموا ثم أخذ عليهم العهد والميثاق ﴿وَأَشْهَدُهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ ؕ أَكُنْتُمْ بِرَبِّكُمْ ط﴾ قالوا: بلى. قال: فإني أشهد عليكم السماوات السبع والأرضين السبع وأشهد عليكم أباكم آدم أن تقولوا يوم القيامة: لم نعلم بهذا. اعلموا أنه لا إله

غیري ولا رب غیري ولا تشرکوا بی شیئا، انی سأرسل إلیکم رسلی
یذکرونکم عہدی و میثاقی وأنزل علیکم کتبی . قالوا: شهدنا بأنک
ربنا و إلهنا. لا رب لنا غیرک ولا إله لنا غیرک . فأقرّوا بذلك و رفع
علیہم آدم علیہ السلام ینظر إلیہم فرأى الغنی و الفقیر و حسن الصورة
و دون ذلك . فقال : ربّ لو لا سوّیت بین عبادک! قال : انی أحببت
أن أشکر . ورأى الأنبیاء فیہم مثل السُّرُج علیہم النور خصوا
بمیثاق آخر فی الرسالة و النبوة و هو قوله تبارک و تعالیٰ ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا
مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ﴾ إلی قوله : ﴿وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ کان فی تلك
الأرواح فأرسله إلی مریم علیہا السلام .

فحدّث عن أبی : أنه دخل من فیہا . رواہ أحمد .

(سیدنا) اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہ) نے آیت کریمہ ”اور جب تیرے رب نے بنی آدم
کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی“ کی تفسیر میں فرمایا: انھیں اکٹھا کیا اور جوڑے
جوڑے بنایا پھر انھیں صورت بخشی تو بولنے کا حکم دیا۔ انھوں نے کلام کیا پھر اللہ نے
ان سے عہد و پیمان لیا ”اور انھیں اپنی جانوں پر گواہ بنایا: کیا میں تمہارا رب نہیں
ہوں؟“ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! (تو ہمارا رب ہے) فرمایا: میں سات آسمانوں،
سات زمینوں اور تمہارے والد آدم (علیہ السلام) کو تم پر گواہ بناتا ہوں کہ قیامت کو یہ نہ
کہنا: ہمیں اس کا علم نہیں تھا، جان لو کہ میرے سوا کوئی دوسرا اللہ (معبود برحق) نہیں
ہے اور نہ کوئی دوسرا رب ہے۔ میرے ساتھ کسی چیز میں بھی شرک نہ کرنا۔ میں اپنے
رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلائیں گے اور میں تمہارے لئے اپنی
کتابیں اتاروں گا۔ انھوں نے جواب دیا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور
اللہ ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں اور نہ تیرے سوا کوئی دوسرا اللہ ہے۔
ان سب نے اس کا اقرار کیا۔ آدم علیہ السلام کو ان پر بلند کیا گیا تاکہ وہ انھیں دیکھیں۔

انہوں نے امیر و غریب، خوبصورت اور بدصورت دیکھے تو کہا: اے میرے رب! تو نے اپنے بندوں کو ایک جیسا برابر کیوں نہیں بنایا؟ اللہ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ انہوں (آدم علیہ السلام) نے انبیاء کرام کو نور کے چراغوں کی طرح دیکھا، ان سے خاص طور پر نبوت و رسالت کے بارے میں دوسرا عہد و پیمان لیا گیا تھا اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ ارشاد ہے: ”اور جب ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا“ سے لے کر ”عیسیٰ بن مریم“ تک (سورۃ الاحزاب: ۷۰) عیسیٰ علیہ السلام ان ارواح میں سے تھے پھر انھیں اللہ نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا۔ پھر اُبی (بن کعب رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا گیا کہ وہ منہ کے راستے داخل ہوئے تھے۔ اسے (عبداللہ بن) احمد (۱۳۵/۵ ح ۲۱۵۵۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کے راوی سلیمان بن طرخان التیمی ثقہ امام ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: سلیمان التیمی تدلیس کرتے تھے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۶۰۰)

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے انھیں مدلسین کے طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے لیکن راجح یہی ہے کہ وہ طبقہ ثالثہ کے مدلس ہیں۔ دیکھئے الفتح المبین (ص ۴۲) المستدرک للحاکم (۳۲۳-۳۲۴) وغیرہ میں اس کی دوسری سند بھی ہے لیکن وہ سند بھی ضعیف ہے۔ اس کے راویوں میں سے ابو جعفر الرازی اور ربیع بن انس دونوں جمہور کے نزدیک موثق ہیں لہذا دونوں حسن الحدیث ہیں لیکن ابو جعفر الرازی جب ربیع بن انس سے روایت کریں تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔ دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان (۲۲۸/۴) ربیع بن انس اور مغیرہ بن مقسم الضبی کے علاوہ دوسرے ثقہ و صدوق راویوں سے ابو جعفر الرازی کی روایت حسن ہوتی ہے اور اسی طرح ابو جعفر کے علاوہ اگر کوئی دوسرا ثقہ و صدوق راوی ربیع بن انس سے روایت بیان کرے تو وہ حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ والحمد للہ

۱۲۳) وعن أبي الدرداء قال: بينما نحن عند رسول الله ﷺ نتذاكر ما

يكون إذ قال رسول الله ﷺ: ((إذا سمعتم بجبل زال عن مكانه
فصدّقوه وإذا سمعتم برجل تغير عن خلقه فلا تصدّقوا به فإنه
يصير إلى ما جُبِلَ عليه.)) رواه أحمد .

(سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے
پاس آئندہ ہونے والی باتوں کا ذکر کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اسے سچ سمجھو اور اگر کسی
آدمی کے بارے میں سنو کہ اس کا اخلاق بدل گیا تو اسے سچ نہ سمجھو کیونکہ وہ اسی
طرف جاتا ہے جو اس کی جبلت و فطرت میں شامل ہے۔ اسے احمد (۲۳۳/۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
حافظ نور الدین الہیثمی نے فرمایا: لیکن زہری نے ابوالدرداء کو نہیں پایا۔ (مجمع الزوائد ۱۹۶/۷)
معلوم ہوا کہ امام زہری نے سیدنا ابوالدرداء کو نہیں دیکھا اور نہ ان سے ملاقات کی ہے
لہذا یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۱۲۴) وعن أم سلمة قالت: يا رسول الله! لا يزال يصيبك في كل عام
وجع من الشاة المسمومة التي أكلت. قال: ((ما أصابني شيء
منها إلا وهو مكتوب علي و آدم في طينته.)) رواه ابن ماجه .
(سیدہ) ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے
جو زہروالی بکری میں سے کھایا تھا اس کی وجہ سے ہر سال آپ کو تکلیف (بیماری)
ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ (میری تقدیر میں) اس
وقت لکھ دی گئی جب آدم (علیہ السلام) مٹی کی صورت میں تھے۔
اسے ابن ماجہ (۳۵۴۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کا راوی ابوبکر العنسی یا تو مجہول ہے

جیسا کہ امام ابن عدی نے فرمایا ہے یا وہ ابوبکر بن ابی مریم العنسی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۹۹۸)

ابوبکر بن ابی مریم العنسی مشہور ضعیف راوی ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۹۷۴) اور عام کتب اسماء الرجال۔

تنبیہ: حدیث نمبر ۷۹ سے تقدیر پر ایمان والی روایات کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو اس روایت (ح ۱۲۴) پر ختم ہوا۔ تقدیر پر ایمان لانا قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے اجماع سے ثابت ہے۔ تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو ہوا ہے، جو ہو رہا ہے اور جو ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت میں ہے اور اس نے اسے تخلیق کائنات سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ رکھا ہے۔ جو شخص خیر والا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ نے اس کے لئے اپنے فضل و کرم سے جنت تیار کر رکھی ہے اور جو شخص شر والا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ نے اس کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحديث: ۳۱ ص ۲۲ تا ۲۳

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم اور رحمت سے ہمیں جہنم سے بچائے اور جنت میں داخل فرمائے۔ آمین

[مولانا محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ”تقدیر پر ایمان لانا فرض عین ہے، اس کا منکر بدعتی بلکہ بعض صورتوں میں دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتا ہے کیونکہ شریعت نے تقدیر پر ایمان کو فرض قرار دیا ہے۔ تو اس کے انکار کا مطلب شریعت کے اس پہلو کا انکار ہے۔

معنی قدر: تقدیر کا معنی کسی چیز کی حد بندی ہے، شرعی اصطلاح میں اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہی ام الکتاب لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔ اس کا علم چیز کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے، کوئی چیز بھی اپنے وجود میں آنے سے پہلے اور بعد اس کے علم سے باہر نہیں، اس نے ہی پوری کائنات میں ہر ایک امر کو اس کے حدود و اصول میں وضع کیا ہے، کوئی ایسا امر نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے خلق اور پیدائش سے پہلے ضبط اور لکھ نہ دیا ہو۔“ (عقیدہ الہدایت ص ۳۲۳)]

حافظ زبیر علی زئی

اہل حدیث پر بعض اعتراضات اور ان کے جوابات

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسولہ الامين ، أما بعد :
صحیح العقیدہ محدثین کرام اور تقلید کے بغیر، سلف صالحین کے فہم پر کتاب و سنت کی اتباع کرنے والوں کا لقب اور صفاتی نام: اہل حدیث ہے۔ اہل حدیث کے نزدیک قرآن مجید، احادیث صحیحہ (علی فہم السلف الصالحین) اور اجماع شرعی حجت ہیں۔ انھیں ادلہ شرعیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ادلہ شرعیہ سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے اور اجتہاد کی متعدد اقسام ہیں:

- ① کتاب و سنت کے عموم و مفہوم وغیرہما سے استدلال
- ② آثار سلف صالحین سے استدلال ③ وہ قیاس جو ادلہ شرعیہ کے مخالف نہ ہو۔
- ④ مصالح مرسلہ وغیرہ

اہل حدیث کے نزدیک اجتہاد جائز ہے لہذا ادلہ شرعیہ ثلاثہ سے استدلال کے بعد دلیل رابع پر بھی عمل جائز ہے، بشرطیکہ کتاب و سنت، اجماع اور آثار سلف صالحین کے خلاف نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں اہل حدیث کے نزدیک ادلہ اربعہ درج بالا مفہوم کے ساتھ حجت ہیں۔

تنبیہ: اجتہاد عارضی اور وقتی ہوتا ہے لہذا اسے دائمی قانون کی حیثیت نہیں دی جاسکتی اور نہ ایک شخص کا اجتہاد دوسرے شخص پر دائمی و لازمی حجت قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس تمہید کے بعد بعض الناس کے اہل حدیث پر اعتراضات و مغالطات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

اعتراض نمبر ۱: ”اہل حدیث کے نزدیک شرعی دلیلیں صرف دو ہیں:

- ① قرآن ② حدیث تیسری کوئی دلیل نہیں ہے۔“

جواب: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((لا یجمع اللہ امتی علی ضلالۃ أبدًا)) اللہ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ (المستدرک للحاکم ۱/۱۶۷ ج ۳۹۹ و سندہ صحیح)

اس حدیث سے اجماع امت کا حجت ہونا ثابت ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ص ۴ جون ۲۰۰۲ء)
حافظ عبداللہ غازی پوری محدث رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۷ھ) فرماتے ہیں:

”اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل حدیث کو اجماع امت و قیاس شرعی سے انکار ہے۔ کیونکہ
جب یہ دونوں کتاب و سنت سے ثابت ہیں تو کتاب و سنت کے ماننے میں ان کا ماننا آگیا“

(ابراء اہل الحدیث والقرآن ص ۳۲)

معلوم ہوا کہ اہل حدیث کے نزدیک اجماع امت (اگر ثابت ہو تو) شرعی حجت ہے۔
اسی وجہ سے ماہنامہ الحدیث حضور کے تقریباً ہر شمارے پر لکھا ہوتا ہے کہ ”قرآن و حدیث اور
اجماع کی برتری“ یہ بھی یاد رہے کہ اہل حدیث کے نزدیک اجتہاد جائز ہے جیسا کہ تمہید میں
عرض کر دیا گیا ہے۔ والحمد للہ

اعترض نمبر ۲: اہل حدیث کے نزدیک ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ قرآن و حدیث کو فہم
سلف صالحین کے بجائے اپنے ذاتی فہم کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرے۔

جواب: یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حافظ عبداللہ روپڑی محدث رحمہ اللہ
(متوفی ۱۳۸۴ھ) فرماتے ہیں: ”خلاصہ یہ کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف
کا خلاف جائز نہیں“ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۱۱۱) معلوم ہوا کہ اہل حدیث کے نزدیک قرآن
و حدیث کو سلف صالحین کے فہم سے سمجھنا چاہئے اور سلف صالحین کے فہم کے مقابلے میں
ذاتی انفرادی فہم کو دیوار پردے مارنا چاہئے۔ اسی وجہ سے ماہنامہ الحدیث حضور کے تقریباً
ہر شمارے کے آخری ٹائٹل پر لکھا ہوتا ہے کہ ”سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار“

اعترض نمبر ۳: اہل حدیث کے نزدیک صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی حجت ہیں۔ وہ
حدیث کی دوسری کتابوں کو نہیں مانتے۔

جواب: یہ اعتراض بھی باطل ہے، کیونکہ اہل حدیث کے نزدیک صحیح احادیث حجت
ہیں چاہے وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہوں یا سنن ابی داود، سنن الترمذی، سنن النسائی، سنن
ابن ماجہ، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ اور دیگر کتب حدیث میں صحیح و حسن لذاتہ سند کے ساتھ

موجود ہوں۔ ہماری تمام کتابیں بشمول ماہنامہ الحدیث حضرو، اس پر گواہ ہیں کہ ہم صحیحین کے ساتھ ساتھ دوسری کتب حدیث کی صحیح روایتوں سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب: جی ہاں، اہل حدیث تقلید نہیں کرتے، کیونکہ تقلید کے جواز یا وجوب کا کوئی ثبوت قرآن، حدیث اور اجماع میں نہیں ہے اور نہ آثارِ سلف صالحین سے تقلید ثابت ہے بلکہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”وَأَمَّا زَلَّةُ عَالَمٍ فَإِنْ اهْتَدَى فَلَا تَقْلُدُوهُ دِينَكُمْ“ رہا عالم کی غلطی کا مسئلہ تو اگر وہ ہدایت پر بھی ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔

(کتاب الزہد للامام وکیع ج ۱ ص ۳۰۰ ح ۱۷۰ سند حسن، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۶)

اہل سنت کے جلیل القدر امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا ہے۔ (کتاب الامم مختصر المزی فی ص ۱، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۸)

اہل سنت کے مشہور عالم حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ (تقلید کی) بدعت چوتھی صدی (ہجری) میں پیدا ہوئی ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۸، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۲)

ظاہر ہے کہ کتاب وسنت پر عمل اور بدعت سے بچنے میں ہی دونوں جہانوں کی کامیابی کا یقین ہے۔

اعتراض نمبر ۵: وحید الزمان حیدر آبادی نے یہ لکھا ہے اور نواب صدیق حسن خان نے وہ لکھا ہے۔ نور الحسن نے یہ لکھا ہے اور بٹالوی نے وہ لکھا ہے۔

جواب: وحید الزمان صاحب ہو یا نواب صدیق حسن خان صاحب، نور الحسن ہو یا بٹالوی صاحب ہوں، ان میں سے کوئی بھی اہل حدیث کے اکابر میں سے نہیں ہے اور اگر ہوتے بھی تو اہل حدیث کے اکابر پرست نہیں ہیں۔

وحید الزمان صاحب تو متروک تھے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۳ ص ۳۶، ۴۰

ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی تقلیدی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اہل حدیث کے علماء اور عوام بالاتفاق وحید الزمان وغیرہ کی کتابوں کو غلط قرار دے کر مسترد کر چکے ہیں۔ (تحقیق مسئلہ تقلید ص ۶)

شہیر احمد عثمانی دیوبندی کو وحید الزمان کا (صحیح بخاری کا) ترجمہ پسند تھا۔

(دیکھئے فضل الباری ج ۱ ص ۲۳، از قلم: محمد یحییٰ صدیقی دیوبندی)

وحید الزمان صاحب عوام کے لئے تقلید کو واجب سمجھتے تھے۔ [دیکھئے نزل الابرار (ص ۷) شائع کردہ آل دیوبند لاہور] لہذا انصاف یہی ہے کہ وحید الزمان کے تمام حوالے آل دیوبند اور آل تقلید کے خلاف پیش کرنے چاہئیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب (تقلید نہ کرنے والے) حنفی تھے۔ (ماثر صدیقی حصہ چہارم ص ۱، دیکھئے حدیث اور اہل حدیث ص ۸۲)

نور الحسن مجہول الحال ہے اور اس کی طرف منسوب کتابیں اہل حدیث کے نزدیک معتبر کتابوں کی فہرست میں نہیں ہیں بلکہ یہ تمام کتابیں غیر مفتی بہا اور غیر معمول بہا مسائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

محمد حسین بٹالوی صاحب رحمہ اللہ اہل حدیث عالم تھے لیکن اکابر میں سے نہیں تھے، بلکہ ایک عام عالم تھے جنہوں نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ ان کی کتاب ”الاقتصاد“ مردود کتابوں میں سے ہے۔ بٹالوی صاحب کی پیدائش سے صدیوں پہلے روئے زمین پر اہل حدیث موجود تھے۔ مثلاً دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۹ ص ۱۳ تا ۳۳ خلاصہ یہ کہ ان علماء اور دیگر علماء اصاغر کے حوالے اہل حدیث کے خلاف پیش کرنا ظلم عظیم ہے۔ اگر کچھ پیش کرنا ہے تو اہل حدیث کے خلاف قرآن مجید، احادیث صحیحہ، اجماع اور سلف صالحین مثلاً صحابہ و ثقہ تابعین و ثقہ تبع تابعین و کبار محدثین کے حوالے پیش کریں بصورت دیگر دندان شکن جواب پائیں گے۔ ان شاء اللہ

تنبیہ: اہل حدیث کے نزدیک قرآن و حدیث اور اجماع کے صریح مخالف ہر قول مردود ہے۔ اعتراف نمبر ۶: مفتی عبدالہادی دیوبندی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ”یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غیر مقلدین (جو خود کو اہلحدیث کہتے ہیں) کا وجود انگریز کے دور سے پہلے نہ تھا۔“ (نفس کے پجاری ص ۱)

جواب: دو قسم کے لوگوں کو اہل حدیث کہتے ہیں:

① صحیح العقیدہ (ثقفہ و صدوق) محدثین کرام جو تقلید کے قائل نہیں ہیں۔
② محدثین کرام کے عوام جو صحیح العقیدہ ہیں اور بغیر تقلید کے کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ خیر القرون سے لے کر آج تک ہر دور میں موجود رہے ہیں۔
دلیل اول: صحابہ کرام سے تقلید شخصی و تقلید غیر شخصی کا کوئی صریح ثبوت نہیں ہے بلکہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”وَأَمَّا زَلَّةُ عَالَمٍ فَإِنْ اهْتَدَى فَلَا تَقْلُدُوهُ دِينَكُمْ“
رہا عالم کی غلطی کا مسئلہ تو (سنو) وہ اگر سیدھے راستے پر بھی (چل رہا) ہو تو بھی اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔ (کتاب الزہد للامام وکیع ج ۱ ص ۳۰۰ ح ۷۱۰ و سندہ صحیح، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۶)
سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”لَا تَقْلُدُوا دِينَكُمْ الرِّجَالُ“ اپنے دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۰، و سندہ صحیح، نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۵)
صحابہ میں سے کوئی بھی ان کا مخالف نہیں ہے لہذا ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ تقلید ممنوع ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام صحابہ اہل حدیث تھے۔ یاد رہے کہ اس اجماع کے مخالفین و منکرین جو ”دلائل“ پیش کرتے ہیں ان میں تقلید کا لفظ نہیں ہے۔
دلیل دوم: مشہور جلیل القدر تابعی امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ لوگ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بتائیں اسے (مضبوطی سے) پکڑ لو اور جو بات وہ اپنی رائے سے (کتاب و سنت کے خلاف) کہیں اسے کوڑے کرکٹ پر پھینک دو۔

(مسند الدارمی ج ۱ ص ۶۷۷ ح ۲۰۶ و سندہ صحیح، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۷)

ابراہیم نخعی کے سامنے کسی نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول پیش کیا تو انھوں نے فرمایا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلے میں تم سعید کے قول کو کیا کرو گے؟

(الاحکام لابن حزم ج ۶ ص ۲۹۳ و سندہ صحیح، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۸)

تابعین میں سے کسی ایک سے بھی تقلید کا جواز یا وجوب ثابت نہیں ہے لہذا ان اقوال اور دیگر اقوال سے صاف ظاہر ہے کہ تقلید کے ممنوع ہونے پر تابعین کا بھی اجماع ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تمام ثقہ و صحیح العقیدہ تابعین اہل حدیث تھے۔

دلیل سوم: تبع تابعی حکم بن عتیہ نے فرمایا: آپ لوگوں میں سے ہر آدمی کی بات لے بھی سکتے ہیں اور رد بھی کر سکتے ہیں سوائے نبی ﷺ کے۔ (الاحکام لابن حزم ۶/۲۹۳ وسندہ صحیح)
تبع تابعین میں سے کسی ایک ثقہ تبع تابعی سے تقلید شخصی و تقلید غیر شخصی کا کوئی ثبوت نہیں ہے لہذا اس پر بھی اجماع ہے کہ تمام ثقہ و صحیح العقیدہ تبع تابعین اہل حدیث تھے۔
دلیل چہارم: اتباع تبع تابعین میں سے ایک جماعت نے تقلید سے منع کیا ہے، مثلاً امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا۔
دیکھئے کتاب الام (مختصر المزنی ص ۱)

امام شافعی نے فرمایا: اور میری تقلید نہ کرو۔ (آداب الشافعی و مناقبہ لابن ابی حاتم ص ۵۱ وسندہ حسن)
امام احمد نے فرمایا: اپنے دین میں ان میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کرو۔

(مسائل ابی داؤد ص ۲۷۷)

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ طائفہ منصورہ (اہل حق کا سچا گروہ) ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔
اس کی تشریح میں امام بخاری فرماتے ہیں: یعنی اس سے مراد اہل الحدیث ہیں۔

(مسألة الاحتجاج بالشافعي للخطيب ص ۴۷ وسندہ صحیح)

امام قتیبہ بن سعید نے فرمایا: اگر تو کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ اہل حدیث سے محبت کرتا ہے تو یہ شخص سنت پر (عمل پیرا) ہے۔ (شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص ۱۳۴ ح ۱۴۳ وسندہ صحیح)
امام احمد بن سنان الواسطی نے فرمایا: دنیا میں کوئی بھی ایسا بدعتی نہیں جو اہل حدیث سے بغض نہیں رکھتا۔ (معرفة علوم الحدیث للحاکم ص ۴ وسندہ صحیح)

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضور: ۲۹ ص ۱۳ تا ۳۳

معلوم ہوا کہ تمام صحیح العقیدہ اور ثقہ اتباع تبع تابعین اہل حدیث تھے اور تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ دوسروں کو بھی تقلید سے روکتے تھے۔

دلیل پنجم: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ (امام) مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابویعلیٰ اور البزازی وغیرہم اہل حدیث کے مذہب پر تھے، وہ علماء میں سے کسی کی

تقلید معین کرنے والے مقلدین نہیں تھے اور نہ مطلق طور پر مجتہد تھے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۲۰)

معلوم ہوا کہ تمام صحیح العقیدہ و ثقہ محدثین کرام تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اہل حدیث تھے۔ آج کل بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کے درج بالا قول سے ان کے دعوے کی تردید ہوتی ہے کیونکہ مذکورہ محدثین کرام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلق طور پر مجتہد نہیں تھے اور نہ تقلید کرتے تھے۔

یاد رہے کہ ان جلیل القدر محدثین کا مجتہد نہ ہونا محل نظر ہے۔ دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۵۱ دلیل ششم: تیسری صدی ہجری کے آخری دور میں فوت ہونے والے امام قاسم بن محمد القرطبی (متوفی ۲۷۶ھ) نے تقلید کے رد پر ایک کتاب ”الإيضاح فی الرد علی المقلدین“ لکھی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۲۹ ت ۱۵۰)

دلیل ہفتم: چوتھی صدی ہجری میں فوت ہونے والے سچے امام ابو بکر عبد اللہ بن ابی داؤد السجستانی (متوفی ۳۱۶ھ) نے فرمایا: اور تو اس قوم میں سے نہ ہونا جو اپنے دین سے کھیلتے ہیں ورنہ تو اہل حدیث پر طعن و جرح کر بیٹھے گا۔ (کتاب الشریعۃ للآجری ص ۵۷۹ و سندہ صحیح)

دلیل ہشتم: پانچویں صدی ہجری میں حافظ ابن حزم ظاہری اندلسی نے صدا بلندی کی کہ

اور تقلید حرام ہے۔ (النبذۃ الکافی فی احکام اصول الدین ص ۷۰)

دلیل نہم: حافظ ابن قیم الجوزیہ نے اعلان کیا: اور (تقلید کی) یہ بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے جس صدی کی مذمت رسول اللہ ﷺ نے اپنی (مقدس) زبان سے بیان فرمائی ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۸)

حافظ ابن قیم نے اپنے مشہور قصیدے ”نونیہ“ میں فرمایا: اے اہل حدیث سے بغض رکھنے اور گالیاں دینے والے! تجھے شیطان سے دوستی قائم کرنے کی ”بشارت“ ہو۔ (الکافیہ الشافیہ ص ۱۹۹) دلیل دہم: پانچویں صدی ہجری میں فوت ہونے والے ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بن الیمینی البغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) نے اپنی کتاب میں فرمایا: ”فی تغور الروم والجزیرۃ

و ثغور الشام و ثغور آذربيجان و باب الأبواب کلہم علی مذهب اہل
الحديث من اہل السنة “ روم، جزیرہ، شام، آذربيجان اور باب الأبواب کی سرحدوں
پر سارے لوگ اہل سنت میں سے اہل حدیث کے مذہب پر ہیں۔ (اصول الدین ص ۳۱۷)
مذکورہ (ودیگر) دلائل سے صاف ثابت ہے کہ اہل حدیث اہل سنت ہیں اور نبی کریم ﷺ
کے دور سے لے کر ہر دور میں اہل حدیث موجود رہے ہیں۔ والحمد للہ

اب چند الزامی دلائل پیش خدمت ہیں:

دلیل نمبر ۱: مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے لکھا:

” تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہل حق میں فروعی اور جزئی مسائل کے حل کرنے
میں اختلافِ انظار کے پیش نظر پانچ مکاتبِ فکر قائم ہو گئے یعنی مذاہب اربعہ اور اہل حدیث۔
اس زمانے سے لیکر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا۔“

(احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۶، مودودی صاحب اور تخریب اسلام ص ۲۰)

اس دیوبندی اعتراف سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث ۱۰۱ ہجری اور ۲۰۱ ہجری سے

روئے زمین پر موجود ہیں۔

دلیل نمبر ۲: تفسیر حقانی کے مصنف عبدالحق حقانی دہلوی نے کہا: ”اور اہل سنت شافعی حنبلی

مالکی حنفی ہیں اور اہل حدیث بھی ان ہی میں داخل ہیں۔“ (حقانی عقائد الاسلام ص ۳)

یہ کتاب محمد قاسم نانوتوی کی پسند کردہ ہے۔ دیکھئے حقانی عقائد الاسلام کا آخر ص ۲۶۴

دلیل نمبر ۳: درج بالا حوالے کی رو سے محمد قاسم نانوتوی دیوبندی نے بھی اہل حدیث کو

اہل سنت قرار دیا ہے اور اہل سنت کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”ومن اہل السنة والجماعة مذهب قدیم معروف قبل أن یخلق اللہ

أباحنیفة ومالکاً والشافعی وأحمد فإنه مذهب الصحابة...“ اور ابو حنیفہ، مالک،

شافعی اور احمد کی پیدائش سے پہلے اہل سنت والجماعت میں سے ایک قدیم مشہور مذہب ہے،

بے شک یہ مذہب صحابہ کا ہے... (منہاج السنۃ النبویہ ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حوالے سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث اہل سنت ہیں اور مذاہب اربعہ کے وجود سے پہلے روئے زمین پر موجود ہیں۔ والحمد للہ

دلیل نمبر ۴: مفتی کفایت اللہ دہلوی دیوبندی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ہاں اہل حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔ ان سے شادی بیاہ کا معاملہ کرنا درست ہے۔ محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعت سے تارک تقلید باہر ہوتا ہے۔“ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۳۲۵ جواب: ۳۷۰)

دلیل نمبر ۵: اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

”اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائر و منحصر ان چار میں ہے مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جاوے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا۔“ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۳۱)

خلاصۃ التحقیق: مفتی عبدالہادی وغیرہ جیسے کذا بین کا یہ کہنا کہ ”اہل حدیث کا وجود انگریز کے دور سے پہلے نہ تھا“ بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ علمائے حق کے حوالوں اور تقلیدیوں کے اعترافات و بیانات سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تقلید نہ کرنے والے اہل حدیث کا وجود مسعود پہلی صدی ہجری سے لے کر ہر دور میں رہا ہے۔ دوسری طرف دیوبندی و تقلیدی فرقوں کا وجود خیر القرون کا مبارک دور گزر جانے کے بعد مختلف ادوار میں پیدا ہوا ہے مثلاً دیوبندی مذہب کی بنیاد ۱۸۶۷ء میں انگریزوں کے دور میں رکھی گئی۔

اشرف علی تھانوی دیوبندی سے پوچھا گیا کہ اگر تمھاری حکومت ہو جائے تو انگریزوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرو (گے)؟ انھوں نے جواب دیا:

”محکوم بنا کر رکھیں کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم ہی بنا کر رکھیں گے مگر ساتھ ہی اسکے نہایت راحت اور آرام سے رکھا جائے گا اس لئے کہ انھوں نے ہمیں آرام پہونچایا

ہے اسلام کی بھی تعلیم ہے اور اسلام جیسی تعلیم تو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتی۔“

(ملفوظات حکیم الامت ج ۶ ص ۵۵ ملفوظ: ۱۰۷)

معلوم ہوا کہ انگریزوں نے دیوبندیوں کو بہت آرام پہنچایا تھا۔ ایک انگریز نے جب مدرسہ دیوبند کا معائنہ کیا تو اس مدرسے کے بارے میں نہایت اچھے خیالات کا اظہار کر کے لکھا: ”یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار مدد معاون سرکار ہے۔“ (محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری ص ۲۱۷، فخر العلماء ص ۶۰) انگریز سرکار کے اس موافق (حمایت و موافقت کرنے والے) مدد (مدد کرنے والے) اور معاون (تعاون کرنے والے) مدرسے کے بارے میں یہ ایک اہم حوالہ ہے جسے دیوبندیوں نے بذاتِ خود لکھا ہے اور کوئی تردید نہیں کی۔
اعتراض نمبر ۷: مفتی عبدالہادی دیوبندی وغیرہ کہتے ہیں کہ محدثین سب کے سب مقلد رہے ہیں۔

جواب: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے انگریزوں کے دور میں بننے والے مدرسہ دیوبند کے بانی محمد قاسم نانوتوی کی پیدائش سے صدیوں پہلے محدثین (مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہم) کے بارے میں لکھا ہے: ”فہم علیٰ مذہب اہل الحدیث لیسوا مقلدین لواحد بعینہ من العلماء ولاہم من الأئمة المجتہدین علی الاطلاق“
پس وہ اہل حدیث کے مذہب پر تھے، علماء میں سے کسی کی تقلید معین کرنے والے مقلدین نہیں تھے اور نہ مجتہد مطلق تھے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۲۰ ص ۴۰)

صرف اس ایک حوالے سے بھی عبدالہادی (اور اس کے ہر حامی) کا کذاب ہونا ثابت ہے۔ یاد رہے کہ ثقہ و صحیح العقیدہ محدثین میں سے کسی ایک کا بھی مقلد ہونا ثابت نہیں ہے۔ طبقات حنفیہ وغیرہ کتب کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کتابوں میں مذکور سارے لوگ مقلد تھے۔ یعنی حنفی (!) نے کہا: مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے اور ہر چیز کی آفت تقلید کی وجہ سے ہے۔ (البنایہ فی شرح الہدایہ ج ۱ ص ۳۱۷)
زیلعی حنفی (!) نے کہا: پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے۔

(نصب الراية ج ۱ ص ۲۱۹) نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۹، ۴۶
اعتراض نمبر ۸: ہندوستان میں اہل حدیث کا وجود انگریزوں کے دور سے پہلے نہیں ملتا۔
جواب: چوتھی صدی ہجری کے مؤرخ محمد بن احمد بن ابی بکر البشاری المتقدسی (متوفی
۳۷۵ھ) نے منصورہ (سندھ) کے لوگوں کے بارے میں کہا:

”مذاہبہم اکثر أصحاب حدیث ورأیت القاضي أبا محمد المنصوري
داودياً إماماً في مذهبه وله تدريس و تصانيف، قد صنف كتباً عدة حسنة“
ان کے مذاہب یہ ہیں کہ وہ اکثر اصحاب حدیث ہیں اور میں نے قاضی ابو محمد منصور کی کو دیکھا
جو داودی تھے اور اپنے مذہب کے امام تھے۔ وہ تدریس و تصنیف پر کاربند تھے۔ انھوں نے
کئی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالم ص ۴۸۱)

داود بن علی الظاہری کے منہج پر عمل کرنے والے ظاہری کہلاتے تھے اور تقلید سے دور تھے۔
احمد شاہ درانی کو شکست دینے والے مغل بادشاہ احمد شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ (دور حکومت
۱۱۶۱ھ بمطابق ۱۷۷۸ء تا ۱۱۶۷ھ بمطابق ۱۷۵۳ء) کے دور میں فوت ہو جانے والے
شیخ محمد فاخر الہ آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۴ھ بمطابق ۱۷۵۱ء) فرماتے ہیں کہ ”جمہور کے
نزدیک کسی خاص مذہب کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اجتہاد واجب ہے۔ تقلید کی بدعت
چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی ہے۔“ (رسالہ نجاتیہ اردو مترجم ص ۴۲، ۴۱)

شیخ محمد فاخر مزید فرماتے ہیں: ”لکن أحق مذاهب اهل حدیث ست“

مگر اہل حدیث کا مذہب دیگر مذاہب سے زیادہ حق پر ثابت ہے۔ (رسالہ نجاتیہ ص ۴۱)
معلوم ہوا کہ مدرسہ دیوبند و مدرسہ بریلی کی پیدائش سے بہت پہلے ہندوستان میں
اہل حدیث موجود تھے لہذا یہ کہنا کہ ”انگریزوں کے دور سے پہلے اہل حدیث کے وجود کا
ثبوت نہیں ملتا“ بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ نیز دیکھئے جواب اعتراض نمبر ۶

اعتراض ۹: عبدالرحمن پانی پتی کہتا ہے کہ (مشہور اہل حدیث عالم) عبدالحق بنارس (سیدہ)
عائشہ رضی اللہ عنہا کو مرتد کہتا تھا اور کہتا تھا کہ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا۔ دیکھئے پانی پتی کی کتاب

کشف الحجاب ص ۴۶۔ عبدالحق بناری پر عبدالحق نے تنبیہ الضالین ص ۱۳ میں تنقید کی ہے۔
جواب: عبد الرحمن پانی پتی ایک سخت فرقہ پرست تقلیدی تھا اور مولانا عبدالحق بناری کا
سخت مخالف تھا۔ اس پانی پتی نے مذکورہ الزام کا کوئی حوالہ مولانا عبدالحق کی کسی کتاب سے
پیش نہیں کیا اور نہ ایسی کوئی بات ان کی کسی کتاب میں موجود ہے لہذا عبد الرحمن پانی پتی نے
تعصب و مخالفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالحق بناری رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔
عبدالحق تقلیدی بھی مولانا عبدالحق کے مخالف گروہ کا ایک فرد تھا۔ میاں سید نذیر حسین
دہلوی رحمہ اللہ کے سر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عبدالحق صحیح العقیدہ اور سچا تھا۔
کتنے ہی دیوبندی سر ایسے ہیں جن کے داماد اہل حدیث ہیں! یہ بات عام لوگوں کو معلوم
ہے کہ کسی بھی شخص کی اپنے مخالف کے خلاف بے حوالہ اور بے ثبوت بات مردود ہوتی ہے۔
مولانا عبدالحق بناری کے بارے میں ابوالحسن ندوی کے باپ حکیم عبدالحق (تقلیدی) نے لکھا
ہے: ”الشیخ العالم المحدث المعمر ... أحد العلماء المشهورین“

(نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۶)

اس کے بعد حکیم عبدالحق نے مولانا عبدالحق کی گستاخی میں چند باطل باتیں لکھ کر محمد بن
عبد العزیز الزینی سے نقل کیا کہ ”ولم أربعيني أفضل منه“ میں نے ان (عبدالحق
بناری) سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۷) نیل الاوطار کے
مصنف محمد بن علی الشوکانی نے اپنے شاگرد عبدالحق بناری کے بارے میں لکھا: ”الشیخ
العلامة ... كثر الله فوائده بمنه وكرمه ونفع بمعارفه ...“ (نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۸)
سید عبد اللہ بن محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی نے لکھا: ”الولد العلامة زينة أهل الإستقامة
ذو الطريقة الحميدة والخصال الشريفة المعمورة“ بیٹا، علامہ، اہل استقامت
کی زینت، اچھے طریقے والا اور اچھی شریف خصلتوں والا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۷۰)
علماء کی اس تعریف کے بعد مولانا عبدالحق بناری (متوفی ۱۲۷۶ھ بمطابق ۱۸۶۰ء) کے
خلاف عبد الرحمن پانی پتی، عبدالحق اور آل تقلید کا جھوٹا پروپیگنڈا کیا معنی رکھتا ہے؟

یاد رہے کہ منی (مکہ مکرمہ) میں فوت ہونے والے مولانا بنارس سے آلِ تقلید کو یہ دشمنی اور غصہ ہے کہ انھوں نے تقلید کے رد پر ایک کتاب ”الدر الفریذ فی المنع عن التقليد“ لکھی اور وہ تقلید کے سخت خلاف تھے۔ رحمہ اللہ

اعترض نمبر ۱۰: اہل حدیث نے انگریزوں کی حمایت کی ہے۔

جواب: ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کے خلاف مسلمانوں اور کافروں نے جنگِ آزادی لڑی تو علماء سے جہاد کے بارے میں پوچھا گیا۔ علماء نے جہاد کے بارے میں فتویٰ دیا: ”در صورتِ مرقومہ فرض عین ہے۔“

اس فتوے پر اہل حدیث علماء میں سے ایک مشہور عالم سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (سابق حنفی و تحقیق اہل حدیث) کے دستخط روزِ روشن کی طرح چک رہے ہیں۔ دیکھئے محمد میاں دیوبندی کی کتاب علماء ہند کا شاندار ماضی (ج ۴ ص ۱۷۹) جانا بزمِ رازا (دیوبندی) کی کتاب ”انگریز کے باغی مسلمان“ (ص ۲۹۳)

اس فتوے کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تو سید نذیر حسین کو گرفتار کر کے راولپنڈی جیل میں ایک سال تک بند رکھا گیا، جبکہ دوسری طرف عاشق الہی میرٹھی دیوبندی نے رشید احمد گنگوہی اور محمد قاسم نانوتوی وغیرہما کے بارے میں لکھا:

”جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تا زیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔“ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۹) ساری زندگی انگریز سرکار کے ”خیر خواہ ہی“ ثابت رہنے والوں کے بزرگ فضل الرحمن گنج مراد آبادی نے کہا: ”لڑنے کا کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پارہا ہوں۔“ (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۰۳، علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۴ ص ۲۸۰)

یہ بات سخت عجیب و غریب ہے کہ خضر علیہ السلام (اپنی وفات کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر) کس طرح انگریزوں کی فوج میں آگئے تھے؟ دیوبندیوں کا خضر علیہ السلام کو انگریزی فوج میں شامل کرنا تاریخ کا بہت بڑا جھوٹ اور فراڈ ہے۔

تنبیہ: ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے فتوے پر کسی ایک دیوبندی کے بھی دستخط نہیں ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

معراج جسمانی تھا

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: ”(واقعہ معراج میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مفقود نہیں ہوا لیکن اللہ آپ کی روح کو لے گیا۔“

(تفسیر ابن جریر طبری ۱۶/۹ بحوالہ واقعہ معراج اور اس کے مشاہدات، حافظ صلاح الدین یوسف طبع دار السلام ص ۳۲)
پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ روایت صحیح ہے؟ اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صرف روحانی طور پر معراج کی قائل تھیں؟ (شعیب محمد، سیالکوٹ)

الجواب: روایت مذکورہ تفسیر ابن جریر الطبری میں درج ذیل سند و متن سے مذکور ہے:

”حدثنا ابن حمید قال: ثنا سلمة عن محمد قال: ثني بعض آل أبي بكر أن عائشة كانت تقول: ما فقد جسد رسول الله ﷺ ولكن الله أسرى بروحه“
ہمیں (محمد) بن حمید (الرازی) نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں سلمہ (بن الفضل الابریش) نے حدیث بیان کی، وہ محمد (بن اسحاق بن یسار) سے بیان کرتے ہیں، کہا: مجھے آل ابی بکر میں سے بعض نے بتایا کہ (سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم (مبارک) غائب نہیں ہوا (تھا) لیکن اللہ نے آپ کو روحانی معراج کرائی۔ (ج ۵ ص ۱۳)
تحقیق: یہ روایت اصول حدیث کی رو سے ضعیف و مردود ہے۔ اس میں بعض آل ابی بکر راوی مجہول محض ہے، اس کا کوئی اتنا پتا معلوم نہیں ہے۔ ایسے مجہول العین راوی کی روایت ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

یہ بات بہت عجیب و غریب ہے کہ منکرین حدیث اور مخالفین کتاب و سنت ہمیشہ صحیح و ثابت روایات کو رد کر دیتے ہیں اور اس طرح کی بے سرو پا مجہول و مردود قسم کی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اصل مقصد اپنی بدعت اور گمراہی کی تائید ہوتا ہے اور بس!

عوام الناس کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دنیا کی کسی کتاب کا بھی حوالہ دے تو آنکھیں بند کر کے اس پر یقین نہ کریں بلکہ اصول حدیث کی روشنی میں سند و متن کی تحقیق کروائیں اور صحیح و ثابت ہونے کے بعد ہی اسے تسلیم کریں۔
تنبیہ بلغ: تفسیر ابن جریر میں اسی سند کے ساتھ محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

”ثني يعقوب بن عتبة بن المغيرة بن الأخنس أن معاوية بن أبي سفيان كان إذا سئل عن مسري رسول ﷺ قال : كانت رؤيا من الله صادقة“

مجھے یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ بن الاخنس نے حدیث بیان کی کہ (سیدنا) معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) سے جب رسول اللہ ﷺ کی معراج کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے: اللہ کی طرف سے (یہ) سچا خواب تھا۔ (۱۳/۱۵)

یہ روایت بھی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔ یعقوب بن عتبہ طبقہ سادہ (تبع تابعین) میں سے تھے، انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

معلوم ہوا کہ یہ دونوں روایتیں سرے سے ثابت ہی نہیں ہیں۔

تنبیہ: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے بذریعہ ٹیلی فون مجھے بتایا کہ انھوں نے اپنی مذکورہ کتاب میں یہ دونوں روایتیں لکھ کر ان کی تردید بھی کر رکھی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہی رؤیا عین ، أريها رسول الله ﷺ ليلة أسري به إلى بيت المقدس“ (حقیقی) آنکھ کا دیکھنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو بیت المقدس تک معراج والی رات دکھایا گیا۔ (صحیح بخاری: ۳۸۸۹)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

((بينا أنا عند البيت بين النائم واليقظان)) الخ

میں بیت اللہ کے قریب نینداور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔ الخ

(صحیح بخاری: ۳۲۰۷، صحیح مسلم: ۴۱۶/۱۶۴)

معلوم ہوا کہ معراج بیداری میں ہوئی تھی۔

جناتی بندر اور زنا

سوال: محمد رفیع مفتی ”ریسرچ فیلو ادارہ اشراق لاہور“ فرماتے ہیں کہ ”بخاری میں بھی غلط احادیث موجود ہیں مثلاً بخاری کی یہ حدیث کہ عمرو بن میمون کہتے ہیں: ”میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر یا کودیکھا، اس نے زنا کیا تھا اور اس کے پاس بہت سے بندر جمع تھے (میرے سامنے) ان بندروں نے اسے سنگسار کیا (یہ دیکھ کر) میں نے بھی ان کے ساتھ اسے سنگسار کیا“ [بخاری، رقم: ۳۸۴۹] اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور جانور دونوں ہی یکساں طور پر انسانی شریعت کے مکلف ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔“ (ماہنامہ سوائے حرم لاہور۔ جولائی ۲۰۰۷ء)

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ محمد رفیع صاحب کی اس بات میں کتنی حقیقت ہے؟
(عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑا)
الجواب: محمد رفیع صاحب کی اس بات میں ذرا برابر حقیقت نہیں ہے کیونکہ روایت مذکورہ بلحاظ سند حسن لذاتہ و بلحاظ متن بالکل صحیح ہے۔

اس کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضور: ۲۴ ص ۲۰
روایت مذکورہ نہ حدیث رسول ہے اور نہ اثر صحابی بلکہ ایک تابعی کا قول ہے اور اس میں بندوروں سے مراد جن ہیں۔

دیکھئے فتح الباری (ج ۷ ص ۱۶۰) اور الحدیث حضور: ۲۴ ص ۲۰
یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ جن مکلف مخلوق ہے اور جنوں کا مختلف اشکال اختیار کرنا بھی ثابت ہے لہذا تابعی کے اس قول پر اعتراض عجیب و غریب ہے۔!

حرمت سود

سوال: سائل نے محمد رفیع مفتی صاحب سے سوال کیا کہ ”ہمارے ملک میں جو بھی کاروبار کیا جائے، اس کے لئے بنک سے سود پر قرض لینا پڑتا ہے۔ کیا سود دینا بھی اسلام میں اسی

طرح ممنوع ہے جیسے کہ سود لینا؟

محمد رفیع صاحب کا جواب ہے کہ

”بنک وغیرہ سے سود پر قرض لینا جائز ہے۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ شریعت نے سود کھانے یعنی سود لینے سے منع کیا ہے، سود دینے سے نہیں۔ حدیث میں سود کھلانے والے کو بھی سود لینے والے ہی کی طرح مجرم قرار دیا گیا ہے۔ یہ سود کھلانے والا کون ہے۔ بعض علما نے سود دینے والے ہی کو سود کھلانے والا قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ سود کھلانے والا دراصل وہ ایجنٹ ہے، جو سود خور کے لئے گاہک لاتا، اس کی نمائندگی کرتا اور اس کے سودی نظام کو چلاتا ہے۔“ (ماہنامہ اشراق لاہور۔ اپریل ۲۰۰۷ء)

حیرت کی بات ہے کہ سود خور کے لئے گاہک لانے والا اور اس کے سودی نظام کو چلانے والا تو حدیث کی نظر میں مجرم ہے مگر جس کے لئے گاہک لایا جا رہا ہے یعنی جو سود پر قرض فراہم کرے گا اس کا کام حلال ٹھہرا۔ یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ آپ مجھے بتلائیں کہ کیا رفیع صاحب کا فتویٰ درست ہے؟ (عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑا)

الجواب: محمد رفیع صاحب نے لکھا ہے کہ ”شریعت نے سود کھانے یعنی سود لینے سے منع کیا ہے، سود دینے سے نہیں۔“

عرض ہے کہ جب شریعت نے سود لینے سے منع کیا ہے تو پھر یہ فتویٰ ”بنک وغیرہ سے سود پر قرض لینا جائز ہے۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔“ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((لَعَنَ اللَّهُ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكَلَّهٖ وَشَاهِدَهُ وَكَاتِبَهُ)) اللہ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے گواہ اور کاتب (لکھنے والے) پر لعنت فرمائی ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۳ ح ۳۷۲۵ و سندہ صحیح)

یہ حدیث سند و متن دونوں لحاظ سے صحیح ہے اور اس میں سماک بن حرب پر جرح مردود ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۲ ص ۱۷ تا ۲۳

اس حدیث کی سند اور مفہومی متن کو امام ترمذی (۱۲۰۶) اور ابن حبان (الاحسان

(۵۰۲۵/۵۰۰۳) نے صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت دوسری سند کے ساتھ مختصراً صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور سود کھلانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۷، وترقیم دارالسلام: ۴۰۹۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ((ہم سوا ۱۰)) یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۸، وترقیم دارالسلام: ۴۰۹۳)

تنبیہ بلغ: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں تمام تدلیس کی مععن روایات سماع یا متابعات وغیرہ پر محمول ہیں لہذا صحیحین کی روایات پر تدلیس کی جرح بالکل باطل اور مردود ہے۔ سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے سود کھانے اور سود کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۳۳۷)

ان صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ سود کھانے، سود کھلانے، سودی کھاتے لکھنے والے اور سود کے گواہ سب ملعون ہیں لہذا سود لینے والے اور سود دینے والے مثلاً مروجہ تمام سودی بنک ایک جیسے مجرم ہیں۔

درج بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ بنک وغیرہ سے سود پر قرض لینا ناجائز اور حرام ہے اور اس میں زبردست شرعی قباحت ہے کیونکہ شریعت نے ایسے تمام کاموں کو حرام قرار دیا ہے لہذا رفیع صاحب کافتوی غلط اور باطل ہے۔ وما علینا إلا البلاغ . (۱/ اگست ۲۰۰۷ء)

امام سفیان ثوری اور طبقہ ثالثہ کی تحقیق

سوال: سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس اور مععن روایت کے بارے میں، آپ کے نزدیک رائج قول کیا ہے؟ (تنویر حسین شاہ، ہری پور)

جواب: سفیان ثوری کے بارے میں رائج یہی ہے کہ وہ ثقہ امام اور امیر المؤمنین فی

الحدیث ہونے کے ساتھ مدلس بھی ہیں اور آپ ضعفاء وغیرہم سے تدلیس کرتے تھے لہذا آپ کی غیر صحیحین میں معنعن روایت، عدم متابعت وعدم تصریح سماع کی صورت میں ضعیف و مردود ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا انھیں طبقہ ثانیہ میں شمار کرنا صحیح نہیں بلکہ وہ طبقہ ثالثہ کے فرد ہیں، جیسا کہ حاکم نیشاپوری نے انھیں طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔

(معرفة علوم الحديث ص ۱۰۶، جامع التحصيل ص ۹۹ و نور العین طبع جدید ص ۱۳۸)

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا:

”وأما المدلسون الذين هم ثقات وعدول فإننا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بينوا

السماع فيما رووا مثل الثوري والأعمش و أبي إسحاق وأضرابهم....“

اور ایسے مدلس راوی جو ثقہ و عادل تھے تو ہم ان کی احادیث سے حجت نہیں پکڑتے سوائے اس کے کہ وہ تصریح سماع کریں جو انھوں نے روایت کیا ہے، مثلاً ثوری، اعمش، ابواسحاق

اور ان جیسے دوسرے..... (الاحسان ج ۱ ص ۹۰، دوسرے نسخہ ص ۱۶۱، واللفظ لہ)

یہی تحقیق راجح اور صحیح ہے اور راقم الحروف نے اسے ہی نور العین اور التامیس فی

مسئلة التدليس (مطبوعہ ماہنامہ الحدیث: ۳۳) میں اختیار کیا ہے۔

یاد رہے کہ عبدالرشید انصاری صاحب کے نام میرے ایک خط (۱۹/۸/۱۴۰۸ھ)

میں سفیان ثوری کے بارے میں یہ لکھا گیا تھا کہ

”طبقہ ثانیہ کا مدلس ہے جس کی تدلیس مضر نہیں ہے۔“ (جوابوں پر ص ۴۰)

میری یہ بات غلط ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں لہذا اسے منسوخ و کالعدم سمجھا جائے،

یعنی حنفی لکھتے ہیں کہ ”وسفيان من المدلسين والمدلس لا يحتج بعننته إلا أن

يثبت سماعه من طريق آخر“ اور سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی

عن والی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی الا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو

جائے۔ (عمدة القاری ۱۱۲/۲) [۱۱/محرم ۱۴۲۴ھ ، ۱۵/مارچ ۲۰۰۳ء]

تنبیہ: یہ سوال و جواب ماہنامہ شہادت اسلام آباد (اپریل ۲۰۰۳ء ص ۳۹) میں بھی شائع ہوا تھا۔

اب کچھ اصلاح کے ساتھ اسے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (۲/ اگست ۲۰۰۷ء)

سجدوں سے کیسے اٹھا جائے؟

سوال: جلسہ استراحت اور تشہد کے بعد، اٹھتے وقت ہتھیلیوں کے بل زمین پر ٹیک لگا کر اٹھنا چاہئے یا غریب الحدیث للحرابی کی روایت کے مطابق مٹھیاں بند کر کے، بند مٹھیوں پر اعتماد کر کے اٹھیں۔ [جیسا کہ علامہ البانی نے تمام المنہ میں بیان کیا ہے۔

(قال الالبانی حسن/ فی الضعیفہ ۳۹۲/۲)

۲۵ نومبر ۱۹۹۴ء کو مولانا محبت اللہ شاہ راشدی صاحب کا ایک مضمون ”الاعتصام“ میں شائع ہوا۔ لکھا تھا کہ کامل بن طلحہ کی روایت میں ”اعتمد علی الأرض بیدیه“ کے الفاظ ہیں اور یدین سے مراد ”کفین“ بہت سی احادیث میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مٹھی بند کر کے اس پر ٹیک لگا کر اٹھنا ”اعتماد علی الأنملة“ ہے نہ کہ علی الیدین ہے۔ لہذا ہتھیلیاں زمین پر ٹیک کر اٹھنا چاہئے۔

مزید لکھتے ہیں: یتیم کی روایت میں ”یُعجن“ کی زیادتی ہے۔ کامل بن طلحہ، یتیم سے اوثق ہیں اور انھوں نے یہ زیادتی ذکر نہیں کی۔ یتیم نے اوثق راوی کی مخالفت کی ہے لہذا یہ روایت شاذ ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری فیصل آبادی (حفظہ اللہ) فرماتے ہیں کہ یتیم کی روایت شاذ نہیں بلکہ اس میں زیادہ تفصیل ہے۔ مٹھیوں کے بل اٹھنے پر دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے۔

مولانا! آپ کی اس بارے میں کیا تحقیق ہے؟ (صفر حسین، شیخ صاحب قسطوں والے، لاہور) الجواب: ابواسحاق الحرابی کی روایت مذکورہ کا ایک راوی یتیم بن عمران الدمشقی ہے جسے ابن حبان کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ قرار نہیں دیا لہذا یہ راوی مجہول الحال ہے۔ حدیث کے عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ مجہول الحال کی منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے۔

تفصیلی تحقیق کے لئے دیکھئے محترم محمد علی خاں خلیلی کی کتاب ”التبیین فی مسئلۃ الحجین رنماز میں اٹھتے وقت آٹا گوندھنے والے کی طرح اٹھنے کی علمی تحقیق“ جسے مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ، اہل حدیث چوک کورٹ روڈ کراچی سے شائع کیا گیا ہے۔

سنن ابی داود (۳۴۸۹) کی ایک روایت میں آیا ہے ”من باع الخمر فليشقص الخنازير“ اس کا ایک راوی عمر بن بیان التغلبي ہے جس سے ایک جماعت نے حدیث بیان کی ہے اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابو حاتم الرازی نے کہا: ”معروف“ لیکن شیخ البانی نے عمر بن بیان کو مجہول الحال کہہ کر اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے الضعیفہ (۷۱/۱۰، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵

موت کے وقت کلمہ پڑھنا

سوال: ایک کلمہ گو مسلمان ساری عمر شرک و بدعات کے کام کرتا رہا اور مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہو جاتا ہے کیا ایسے آدمی کیلئے بھی ”دخل الجنة“ والی حدیث صادق آتی ہے نیز کلمہ گو مشرک کا جنازہ پڑھنا سنت سے ثابت ہے جبکہ آخری کلام کلمہ ہو۔

جواب: جو شخص دین اسلام کا مخالف ہو مثلاً یہودی، عیسائی وغیرہ اس شخص کا آخری عمر میں کلمہ شہادت پڑھنا اس کیلئے مفید ہے۔ رہا وہ شخص جو یہ کلمہ پڑھ کر بھی کفر و شرک کرتا تھا مثلاً مرزائی وغیرہ تو جب تک وہ اپنے کفر و شرک سے برأت نہیں کرے گا اس کا کلمہ پڑھنا چنداں مفید نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ كَفَرَ بِمَا يَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَرَّمَ مَالَهُ وَ دَمَهُ وَ حَسَابَهُ عَلَى اللَّهِ“ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار کیا تو اس کا مال اور خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۳)

اس میں استدلال ”کفر بما یعبد من دون الله“ سے ہے۔ مزید تفصیل کیلئے صحیح مسلم کا باب مذکور مع شروح دیکھ لیں۔ [ماہنامہ شہادت، اگست ۲۰۰۰ء] (دوبارہ ۱۰/ ستمبر ۲۰۰۰ء)

حافظ زبیر علی زئی

مقدمة الدين الخالص (عذاب قبر)

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد :
ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ﴾ ﷻ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیاوی زندگی اور آخرت میں
ثابت قدم رکھتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۷)

اس کی تشریح و تفسیر میں سیدنا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((إذا أقعد المؤمن في قبره
أُتي ، ثم شهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله .))
جب مومن کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے (اور فرشتوں کو) لایا جاتا ہے پھر وہ لا إله إلا الله اور
محمد رسول الله کی گواہی دیتا ہے، اس آیت میں یہ مراد ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء في عذاب القبر ج ۱۳۶۹، صحیح مسلم: ۲۸۷۱)
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ ہم انھیں دو دفعہ عذاب دیں گے۔ (التوبہ: ۱۰۱)
اس آیت کی تشریح میں مشہور تابعی اور مفسر قرآن قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
”عذاباً في الدنيا وعذاباً في القبر“ ایک عذاب دنیا میں اور ایک عذاب قبر میں۔

(تفسیر ابن جریر الطبری ج ۱۱ ص ۹۹ وسندہ صحیح)
دیگر آیات کے لئے دیکھئے امام بیہقی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب شعب الایمان (ج ۱ ص ۳۵۴،
۳۵۵) اور کتاب اثبات عذاب القبر۔

عذاب قبر کا ثبوت متواتر احادیث سے ملتا ہے جنھیں روایت کرنے والے صحابہ کرام میں
سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (صحیح بخاری: ۱۳۷۲، صحیح مسلم: ۵۸۶)

② سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا (صحیح بخاری: ۱۳۷۳، صحیح مسلم: ۹۰۵)

- ③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۱۳۷۴، صحیح مسلم: ۲۸۷۰)
- ④ سیدنا ابویوب الانصاری رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۱۳۷۵، صحیح مسلم: ۲۸۶۹)
- ⑤ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۱۳۷۷، صحیح مسلم: ۵۸۸)
- ⑥ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۱۳۷۸، صحیح مسلم: ۲۹۲)
- ⑦ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۲۸۶۷)
- ⑧ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۱۳۶۹، صحیح مسلم: ۲۸۷۱)
- ⑨ خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی (ام خالد الامویہ) رضی اللہ عنہا (صحیح بخاری: ۱۳۷۶)
- ⑩ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۶۳۶۵)

نیز دیکھئے نظم المینا ثمر من الحديث المتواتر للکتانی (ص ۱۳۴ ح ۱۱۳)

عذاب قبر کا مسئلہ تو بہت بڑا ہے، عذاب قبر کی جزئیات والی بعض احادیث بھی متواتر ہیں مثلاً:

① قبر میں دو فرشتوں (مکروئکیر) کا سوال کرنا (نظم المینا ثمر ص ۱۳۲ ح ۱۱۱)

② سوال کے وقت بدن میں اعادہ روح (نظم المینا ثمر ص ۱۳۳ ح ۱۱۲)

③ عذاب قبر سے پناہ مانگنا (نظم المینا ثمر ص ۱۳۵ ح ۱۱۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل سنت کے متعدد علماء نے اپنے بیانات میں عذاب قبر کے عقیدے کی صراحت فرمائی ہے مثلاً:

۱۔ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے ﴿مَعِيشَةً ضَنْكًا﴾ تنگی والی زندگی (طہ: ۱۲۴) کی تشریح میں فرمایا: ”یضيق عليه قبره حتى تختلف أضلاعه“

اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں جھنس جاتی ہیں۔ (کتاب اثبات عذاب القبر للبیہقی تحقیقی: ۵۸: وسندہ صحیح)

۲۔ اسی آیت کی تشریح میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”عذاب القبر“ یعنی اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ (عذاب القبر للبیہقی: ۶۰: وسندہ حسن، و کتاب الزہد لہناد بن السری: ۳۵۲: وسندہ حسن، عبداللہ بن الحارث وثقہ ابن حبان والحاکم والذہبی وروی عنہ جماعۃ وقال ابن معین: مشہور)

- سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت میں آیا ہے کہ سورۃ الملک (کی تلاوت) عذاب قبر سے بچاتی ہے۔ (عذاب القبر للبیہقی: ۱۴۵، وسندہ حسن، صحیحہ الحاکم ۲/۴۹۸ ح ۳۸۳۹ ووافقه الذہبی) نیز دیکھئے عذاب القبر (ح ۲۲۳ وسندہ حسن) و تہذیب الآثار للطبری (مسند عمر ۱/۲۵۶ ح ۲۴۹۵ وسندہ حسن)
- ۳۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب نابالغ بچے کی نماز جنازہ پڑھتے تو فرماتے: اے اللہ! اسے عذاب قبر سے بچا۔ (الموطأ ۱/۲۲۸ ح ۵۳۷ وسندہ صحیح، عذاب القبر للبیہقی: ۱۶۰، وسندہ صحیح)
- ۴۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کافر پر اس کی قبر میں ایک گنجا سانپ مسلط کیا جاتا ہے جو اس کا گوشت کھاتا ہے۔ الخ (عذاب القبر: ۲۲۹ وسندہ صحیح) نیز دیکھئے الزہد لہناد (۳۵۴ وسندہ حسن)
- ۵۔ صحیح مسلم کے بنیادی راوی، مشہور تابعی و مفسر اسماعیل بن عبد الرحمن السدی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی تشریح میں فرمایا: ”عذاب القبر“ یعنی اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ (عذاب القبر للبیہقی: ۶۲ وسندہ صحیح)
- ۶۔ عبد اللہ بن فیروز الداناج (ثقة تابعی) سے روایت ہے کہ میں اس وقت (وہاں) موجود تھا جب ایک آدمی نے (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے ایسے لوگوں کے بارے میں پوچھا جو عذاب قبر کو جھٹلاتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: ”فلا تجالسوا أولئك“ تم ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (عذاب القبر للبیہقی: ۲۳۳ وسندہ صحیح)
- ۷۔ یزید بن عبد اللہ بن اشیر (ثقة تابعی) کے بیان کردہ قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی عذاب قبر کے قائل و معتقد تھے۔ دیکھئے عذاب القبر للبیہقی (ح ۲۳۸ وسندہ صحیح)
- ۸۔ قتادہ کا قول شروع میں گزر چکا ہے۔
- ۹۔ ابوصالح عبد الرحمن بن قیس الحنفی الکوفی (تابعی) نے تنگی والی زندگی کے بارے میں فرمایا: ”عذاب القبر“ (کتاب الزہد لہناد بن السری: ۳۵۳ وسندہ صحیح)
- تنبیہ: یہاں حنفی سے مراد قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک فرد ہونا ہے۔
- ۱۰۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عذاب ثانی کو ”عذاب القبر“ کہا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۶/۱۸۷ ح ۱۰۳۰۳، وسندہ حسن)

۱۱۔ مکحول شامی (تالجبی) نے شہید کے بارے میں فرمایا کہ وہ عذاب قبر سے بچایا جاتا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۳۳۱ ح ۳۶۰۱۹۳۶۰ وسندہ صحیح)
ان احادیث متواترہ اور آثار متواترہ کی روشنی میں اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ عذاب قبر برحق ہے۔

عذاب قبر کے بارے میں صحیح مسلم کے شارح محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی (متوفی ۸۲۸ھ)
لکھتے ہیں: ”تواتر و أجمع عليه أهل السنة و أنكرته المبتدعة“
یہ متواتر ہے اور اہل سنت کا اسی پر اجماع ہے اور اہل بدعت نے اس کا انکار کیا ہے۔
(اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۱۲۳ تحت ج ۲۹۲)

ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (متوفی ۶۷۶ھ) نے کہا:
”اعلم أن مذهب أهل السنة اثبات عذاب القبر وقد تظاهرت عليه دلائل
الكتاب و السنة“ جان لو! کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے اور اس پر
کتاب و سنت کے واضح دلائل موجود ہیں۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵ تحت ج ۲۸۶۲)
حافظ ابن حجر نے عذاب قبر کے عقیدے کو ”جميع أهل السنة“ یعنی سارے اہل سنت کا
عقیدہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری (ج ۳ ص ۲۳۳ تحت ج ۱۳۶۹)
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عذاب قبر کے بارے میں فرماتے ہیں:
”هذا قول السلف قاطبة و أهل السنة والجماعة و إنما أنكر ذلك في
البرزخ قليل من أهل البدع“ یہ تمام سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کا قول ہے
(کہ عذاب قبر برحق ہے) اور اس کا انکار صرف تھوڑے سے بدعتیوں نے کیا ہے۔

(مجموع فتاویٰ ج ۴ ص ۲۶۲)

ابن ابی العز الحنفی نے لکھا ہے کہ ”وقد تواترت الأخبار عن رسول الله ﷺ في
ثبوت عذاب القبر و نعيمه لمن كان لذلك أهلاً و سؤال الملكين فيجب
اعتقاد ثبوت ذلك والإيمان به ولا نتكلم في كفيته إذ ليس للعقل وقوف

على كیفیتہ لكونہ لا عهد له به في هذا الدار والشرع لا يأتي بما تحيله العقول ولكنه قد يأتي بما تحار فيه العقول فإن عود الروح إلى الجسد ليس على الوجه المعهود في الدنيا بل تعاد الروح إليه إعادة غير الإعادة المألوفة في الدنيا ...“

اور یقیناً رسول اللہ ﷺ سے عذاب القبر، قبر کی نعمتوں اور قبر میں فرشتوں کے سوال (وجواب) کے متعلق تو اتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں، اس شخص کے لئے جو اس کا مستحق ہے۔ ان احادیث پر اعتقاد رکھنا اور ایمان لانا ضروری ہے البتہ ان کی کیفیت کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ عقل ان کی کیفیت معلوم کرنے سے قاصر ہے اور اس جہان دنیا میں اس کا علم ممکن نہیں، نیز شریعت ایسی باتوں کا ذکر نہیں کرتی جنہیں (انسانوں کی) عقلیں محال سمجھتی ہیں، البتہ ایسی باتوں کا ذکر کرتی ہے جس میں عقلیں حیران ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ روح کا جسم میں واپس آنا اس طرح نہیں جس طرح دنیا میں معروف ہے بلکہ روح کا اعادہ (برزخی ہے اور) اس اعادے کے خلاف ہے جو دنیا میں معلوم ہے...

(شرح عقیدہ الطحاویہ ص ۲۵۰، ۲۵۱)

ان واضح دلائل اور ائمہ دین و علمائے اسلام کی تصریحات کے باوجود بعض اہل بدعت عقیدہ عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں جن میں درج ذیل گروہ زیادہ مشہور ہیں:

① بعض معتزلہ ② خوارج ③ جہمیہ ④ منکرین حدیث ⑤ روافض

دیکھئے احادیث حیاۃ البرزخ فی الکتب التسعة (ص ۳۹ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت، لبنان)

مُلک یمن میں میری بعض ایسے رافضی نمازید یوں سے بھی ملاقات ہوئی تھی جو عذاب قبر کا علانیہ انکار کرتے تھے۔ یہ لوگ سلف صالحین کے بجائے ضرار بن عمرو، یحییٰ بن کامل اور بشر بن غیاث المریسی جیسے گمراہوں کے پیروکار ہیں جبکہ یہ عقیدہ صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

صاحب شرح العقیدۃ الطحاویۃ ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وذهب إلى موجب هذا الحديث جميع أهل السنة والحديث وله شواهد من الصحيح“ تمام اہل سنت اور اہل حدیث اس حدیث سے ثابت شدہ موقف کے حامی ہیں اور صحیح میں اس کے شواہد ہیں۔ (شرح عقیدہ طحاویہ تحقیق احمد شاہ کرس ۳۴۷)

برادر محترم مولانا ابوجابر عبداللہ دمانوی حفظہ اللہ اپنے دور میں گمراہ فرقوں اور اہل بدعت کے خلاف ننگی تلوار ہیں۔ انھوں نے اپنے اس جہادِ مسلسل میں منکرینِ عذاب القبر اور مکفرینِ ائمہ المسلمین کو آڑے ہاتھوں لے کر کتاب و سنت کے دلائل کے ساتھ ان گمراہوں کے پرچے اڑا دیئے ہیں۔ عذابِ قبر کے اثبات اور منکرینِ عذابِ قبر کی تردید والی یہ کتاب ”الدین الخالص“ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو دنیا اور آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے، صحتِ کاملہ کے ساتھ لمبی زندگی اور وسائلِ مطلوبہ بخشے تاکہ وہ مسلکِ حق کو دن بدن سر بلند کرنے اور باطل کو ہر محاذ پر شکست دینے میں مصروف رہیں۔ آمین (۲۶/اپریل ۲۰۰۷ء)

[یہ مقدمہ ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دمانوی حفظہ اللہ کی کتاب پر لکھا گیا ہے۔]

[تقلید اور دلیل شرعی]

احمد یار نعیمی بریلوی لکھتے ہیں: ”اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے، تقلید میں ہوتا ہے: دلیل شرعی کو نہ دیکھنا، لہذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد اسی طرح صحابہ کرام و ائمہ دین حضور علیہ السلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہے کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے۔“ (جاء الحق ج ۱ ص ۱۶)

معلوم ہوا کہ تقلید کرنے والا قرآن و حدیث و اجماع کو نہیں دیکھتا بلکہ آنکھیں بند کر کے اپنے مقرر کردہ امام و پیشوا کی بلا دلیل اندھا دھند پیروی کرتا ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

تذکرۃ الاعیان

شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

اس مختصر مضمون میں شیخ العرب والعجم امام حافظ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی
السندی رحمہ اللہ کے بارے میں بعض معلومات پیش خدمت ہیں:

نام و نسب: ابو محمد بدیع الدین شاہ بن سید احسان اللہ شاہ راشدی بن سید ابوتراب
رشد اللہ شاہ بن پیر رشید الدین شاہ بن پیر محمد یلین شاہ پیر جھنڈا اول بن پیر محمد راشد شاہ
الراشدی الحسینی السندی رحمہ اللہ

ولادت: آپ ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء بمطابق ۱۳۴۲ھ بمقام گوٹھ فضل اللہ شاہ (سابق گوٹھ پیر
جھنڈا) نزد نیو سعید آباد تحصیل ہالہ ضلع حیدر آباد سندھ میں پیدا ہوئے۔

رموز راشدیہ (ص ۱۱) میں پیدائش ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء مذکور ہے اور محمد اسحاق بھٹی صاحب نے
بھی اسے اختیار کیا ہے۔ دیکھئے برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن (ص ۱۰۲) لیکن شاہ
صاحب کے صاحبزادے نور اللہ الراشدی نے ۱۳۹۸/۳/۲ھ میں آپ کی پیدائش ۱۲ مئی
۱۹۲۶ء لکھی ہے۔ (دیکھئے ترجمۃ المؤلف تو حید خالص ص ۳) پروفیسر محمد یوسف سجاد صاحب
نے اسی تاریخ پر اعتماد کیا ہے۔ (دیکھئے تذکرہ علماء اہل حدیث ج ۲ ص ۱۵۶)

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی صاحب نے تاریخ پیدائش ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء
لکھی ہے۔ (اصحاب علم و فضل ص ۴۴)

اس سلسلے میں شاہ صاحب کے پوتے محترم نصرت اللہ شاہ صاحب سے رابطہ کیا تو انھوں نے
بتایا کہ آپ ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء بمطابق ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات
تقریباً تین بجے پیدا ہوئے۔

اساتذہ کرام: آپ کے چند مشہور اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

ابو محمد عبدالحق بن عبد الواحد الباشی بہاولپوری مہاجر کی، ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری فاتح قادیان،

حافظ عبداللہ روپڑی، ابواسحاق نیک محمد امترسری، محبت اللہ شاہ راشدی اور بہت ہی زمان ابوسعید شرف الدین دہلوی وغیرہم۔

تصانیف: سید ابو محمد بلع الدین شاہ رحمہ اللہ کی عظیم الشان تصانیف میں سے بعض کا ذکر و تعارف درج ذیل ہے:

عربی تصانیف:

۱: الطوام المرعشة في بيان تحريفات أهل الرأي الملاهشة.

اس کتاب میں شاہ صاحب نے تقلیدی حضرات کی تحریفات اور اکاذیب کا پردہ چاک کیا ہے تاکہ عامۃ المسلمین ان لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں۔ یہ کتاب عظیم محقق مولانا صلاح الدین مقبول احمد حفظہ اللہ کی تحقیق سے کویت سے چھپ چکی ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا قلمی مصور نسخہ بھی موجود ہے۔ والحمد للہ

۲: عين الشين بترك رفع اليدين.

یہ کتاب ۱۱۲ سے زیادہ صفحات پر مطبوع ہے جس میں ہاشم ٹھٹھوی تقلیدی کا بہترین رد کیا گیا ہے۔

۳: جلاء العينين بتخريج روايات البخاري في جزء رفع اليدين.

۱۹۲ سے زیادہ صفحات والی یہ کتاب کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری کے حواشی اور استاذ محترم مولانا فیض الرحمن ثوری رحمہ اللہ سے اخذ شدہ فوائد کے ساتھ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ شاہ صاحب نے اس جلیل القدر کتاب میں امام بخاری کی مشہور وثابت کتاب جزء رفع اليدين کی تحقیق و تخریج کر کے منکرین رفع اليدين کو شکست فاش دے دی ہے۔

۴: التعليق المنصور على فتح الغفور في تحقيق وضع اليدين على الصدور.

یہ شیخ محمد حیات السندھی رحمہ اللہ کے رسالے کی تحقیق و تخریج ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نماز میں (مردوں اور عورتوں کو) سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔

۱۳۶ صفحات میں اس کی کمپوزنگ ہو چکی ہے جسے برادر محترم ذوالفقار بن ابراہیم الاثری حفظہ اللہ نے مدینہ طیبہ سے راقم الحروف کے پاس برائے مراجعت بھیجا ہے۔ میرے پاس

برادرِ محترم عبدالعزیز السلفی (کاتب) کے لکھے ہوئے قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ بھی موجود ہے جس کے ۶۸ صفحات ہیں۔

۵: السمط الإبریز حاشیہ مسند عمر بن عبدالعزیز تالیف ابن الباغندی۔ یہ کتاب مولانا عبدالنواب ملتانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۶ھ) کے حاشیے کے ساتھ قدیم خطی انداز میں ۷۴ صفحات پر مطبوع ہے۔ اس کتاب میں محدث ابن الباغندی البغدادی نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مرویات کو اپنی اسانید کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب ایک متروک و مبتدع محمد عوامہ کی تخریج و تعلیق سے بھی مطبوع ہے۔ دونوں کتابوں کے موازنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوامہ مذکور نے شاہ صاحب کی تحقیقات و تعلیقات کو جابجا چرایا ہے۔ مثلاً:

عبداللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحکمی نے ”ثنا أبي عن مبشر بن إسماعيل عن نوفل“ کی سند سے رفع یدین کی ایک حدیث بیان کی ہے۔ (مسند عمر بن عبدالعزیز: ۱۰، ۱۱، نسخہ محمد عوامہ: ۱۲، ۱۱، مجمع شیوخ ابن الاعرابی: ۲/۳۵۰ ح ۲۰۶، شعار اصحاب الحدیث ابی احمد الحاکم: ۵۱، الارشاد للخلیلی: ۲/۴۸۰) عبداللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحکمی سے طبرانی، دولابی، ابوعوانہ الاسفرائینی، ابن ابی حاتم، ابن صاعد اور ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم وغیرہ متاخرین نے روایت بیان کی ہے۔ تاریخ دمشق لابن عساکر (۳۴/۱۱۵، ۱۱۶) الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث للخلیلی (۲/۴۸۰) اور تاریخ الاسلام للذہبی (۲۱/۲۰۹ و فیات ۲۸۱ تا ۲۹۰ھ) میں اس کے حالات موجود ہیں۔ محدث خلیلی نے کہا: ”صاحب غرائب، روی عنه ابن صاعد و أقرانه و أبو نعيم الجرجاني و آخر من روی عنه الطبراني وهو ثقة“ صاحب غرائب ہے، اس سے ابن صاعد، ان کے معاصرین اور ابو نعیم الجرجانی نے روایت بیان کی ہے اور سب سے آخر میں اس سے روایت کرنے والے طبرانی تھے اور وہ ثقہ ہیں۔ (الارشاد: ۲/۴۸۰) ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اس سے روایت بیان کی۔ (المسند المستخرج طبعہ جدیدہ ۲/۶۱ ح ۵۸۶۰) حاکم نے اس کی ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (المسند رک ۳/۳۲۳ ح ۵۴۰۵)

معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کا یہ راوی کم از کم صدوق و حسن الحدیث ہے۔
تنبیہ: کتاب الجرح والتعديل میں ایک راوی عبد اللہ بن اسامہ ابواسامہ الحکمی کا ذکر
موجود ہے جس کے بارے میں ابن ابی حاتم نے کہا: ”کتبت عنه مع أبي وهو ثقة
صدوق“ (۴۶۱ تا ۵/۵) واللہ اعلم

شیخ بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ نے ابن ابی اسامہ الحکمی کے بارے میں حافظ ابن حبان کی
کتاب الجرح ورجح (۵۰/۲) سے جرح نقل کی کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور (امام) بخاری اس
پر شدید جرح کرتے تھے۔ (السمط الابریض ۱۸)
حالانکہ یہ مجروح راوی الحکمی نہیں بلکہ الاسامی ہے اور الحکمی کے مقابلے میں متقدمین میں
سے ہے۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ راوی ہیں۔

ابن ابی اسامہ کا والد محمد بن (بہلول) ابی اسامہ الحکمی بھی موثق ہے۔ اس سے ابو زرعتہ
الدمشقی، یعقوب بن سفیان الفارسی (المعرفة والتاريخ ۳۶۴/۲) اور محمد بن عوف الحمصی
وغیرہ نے روایت بیان کی ہے اور ابو حاتم الرازی نے کہا: لیس بہ بأس (الجرح والتعديل ۲۰۹/۷)
معلوم ہوا کہ یہ راوی ثقہ و صدوق ہے لیکن شاہ صاحب نے محمد بن اسامہ (مدنی) کے بارے
میں میزان الاعتدال سے نقل کیا کہ ”لا أعرفه“ (السمط الابریض ۱۸)

حالانکہ یہ راوی اور ہے اور مدنی اور ہے۔ مدنی اور حلبی دو مختلف راوی ہیں۔ محمد عوامہ تقلیدی
نے شاہ صاحب کی تقلید کرتے ہوئے عبد اللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحکمی پر جرح کر دی ہے
اور محمد بن ابی اسامہ کے بارے میں لکھا ہے: ”ینظر القول فیہ“ (مسند عمر بن عبد العزیز ص ۵۵)
۶: انماء الزکن فی تنقید انہاء السکن .

اس کتاب میں شاہ صاحب نے ظفر احمد تھانوی دیوبندی کی کتاب ”انہاء السکن“ کا رد کیا
ہے اور یہ کتاب کویت سے ”نقض قواعد فی علوم الحدیث“ کے نام سے ۸۷۸ صفحات میں
مطبوع ہے لیکن مطبوعہ میں کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں کثرت سے ہیں جن سے
شاہ صاحب بری ہیں۔

۷: زیادة الخشوع بوضع اليدين في القيام بعد الركوع.
رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے چاہئیں؟ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور دونوں طرح عمل جائز ہے اگرچہ ہاتھ چھوڑنا بہتر ہے۔ شاہ صاحب نے اس رسالے میں اول الذکر کو ترجیح دی ہے جبکہ آپ کے بڑے بھائی مولانا محبت اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ ثانی الذکر کو ترجیح دیتے تھے۔
اس رسالے کا جواب مبلغ اہل حدیث مولانا عبد اللہ بہاؤ پوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۱ء) کی طرف سے ”مايجوز في القيام بعد الركوع وضع اليدين أم ارسال اليدين“ کے نام سے مطبوع ہے۔

۸: منجد المستجيز لرواية السنة والكتاب العزيز .
یہ رسالہ شاہ صاحب کی اسانید کا مجموعہ ہے جو آپ اپنے شاگردوں اور مستجیزین کو مرحمت فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے دستخطوں اور مہر کے ساتھ ۸/۷/۱۴۰۶ھ کو یہ اجازت نامہ مجھے بھی عطا فرمایا تھا۔ اس میں ایک مقام پر آپ نے اپنی صحیح بخاری کی سند درج ذیل الفاظ میں رقم کی:

” فأخبرني الشيخ عبدالحق الهاشمي قال: أخبرنا أحمد بن عبد الله بن سالم البغدادي عن عبد الرحمن بن حسن بن محمد بن عبد الوهاب عن جده شيخ الإسلام عن عبد الله بن إبراهيم المدني عن عبد القادر التغلبي عن عبد الباقي عن أحمد الوفاي عن موسى الحجازي عن أحمد الشويكي عن العسكري عن الحافظ شمس الدين ابن القيم عن شيخ الإسلام الحافظ تقي الدين أبي العباس ابن تيمية عن الفخر ابن البخاري عن أبي ذر الهروي عن شيوخه الثلاثة السرخسي والمستملي والكشميهني عن محمد بن يوسف الفربري عن إمام الدنيا أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري“
(منجد المستجيز ص ۱۱۰، ۱۱۱)

اس سند میں نہ شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں اور نہ شاہ عبدالعزیز و محمد اسحاق۔!

۹: القندیل المشعول في تحقیق حدیث ((اقتلوا الفاعل والمفعول))

میرے علم کے مطابق یہ غیر مطبوع ہے۔ ان کے علاوہ شاہ صاحب کی اور بھی بہت سی عربی کتابیں ہیں مثلاً وصول الالهام لاصول الاسلام (یہ ساری کتاب غیر منقوٹ ہے یعنی اس میں نقطوں والا کوئی حرف استعمال نہیں ہوا)

جزء منظوم فی أسماء المدلسین (یہ الفتح المبین کے آخر میں میری مراجعت سے مطبوع ہے) توفیق الباری بترتیب جزء رفع الیدین للبجاری (اس کے آخر میں شاہ صاحب نے لکھا ہے: العبد ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی المکی) مخطوطے کے کل صفحات ۲۱ ہیں۔

۱۰: العجوز لهدایة العجوز (بڑی عجیب و غریب کتاب ہے)

۱۱: اظهار البراءة عن حدیث من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة
ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد کی کتاب تذکرہ علماء اہل حدیث (ج ۲ ص ۲۱۲-۲۱۵) میں ہے۔

اردو تصانیف:

۱: توحید خالص

اپنے موضوع پر یہ عظیم الشان کتاب ہے، جو تقریباً ۶۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ عقیدے پر معلومات کا بہترین خزانہ ہے۔

۲: امام صحیح العقیدہ ہونا چاہئے۔

۳: تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید

۴۱۲ صفحات کی یہ لاجواب و مفید ترین کتاب محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی تقلیدی کے جواب میں لکھی گئی جس کے جواب الجواب سے (میرے علم کے مطابق) آل تقلید عاجز رہے۔

۴: توازن عملی یا حیلہ جدلی

یہ مسعود احمد بنی الیس سی (تکفیری) کا رد ہے۔

۵: الہی عتاب برسیاہ خضاب

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں دیکھئے تذکرہ علماء اہل حدیث (ج ۲ ص ۲۱۶، ۲۱۷)

سندھی تصانیف

۱: بدیع التفاسیر

سندھی زبان میں شاہ صاحب نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے بدیع التفاسیر آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب صرف چودھویں پارے تک لکھی جاسکی اور آپ فوت ہو گئے۔

۲: تمییز الطیب من الخبیث بجواب رسالۃ تحفة الحدیث .

سندھی زبان میں بڑے سائز اور باریک خط پر ۵۶۶ صفحات کی یہ کتاب مسلک اہل حدیث کی فتح اور آل تقلید کی تباہی کی روشن دلیل ہے۔ اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو جائے تو اردو دان طبقہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔

۳: التنقید المضبوط فی تسوید تحریر الملبوط (فقہ و حدیث)

اس کتاب کا کچھ حصہ اردو میں چھپ گیا ہے۔

۴: الأربعین فی الجہر بالتأمین .

۵: تقریر دلپذیر بنام براءت اہل حدیث

۶: المبسوط المغبوط فی جواب المخطوط المہبوط

یہ سندھی زبان میں لکھی گئی ہے اور اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اسی کتاب میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: ”نواب وحید الزمان اہل حدیث نہ ہو۔“ یعنی نواب وحید الزمان اہل حدیث نہیں تھے۔ (ص ۹۲)

آپ نے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب مفیدہ تصنیف فرمائیں۔ مثلاً الفتاویٰ البدیعیہ وغیرہ

شاہ صاحب کے تلامذہ: آپ کے بعض تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

- ۱: شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ السندھی المدنی رحمہ اللہ
میری ملاقات شیخ عبدالقادر سے مدینہ منورہ میں آپ کے گھر میں ہوئی تھی۔ نحیف جسم کے
انتہائی علم دوست عالم تھے۔ آپ نے عربی زبان میں بہت سی مفید کتابیں لکھی ہیں۔
- ۲: حافظ قحی محمد رحمہ اللہ
- ۳: حمدی عبدالمجید السلفی العراقی
- ۴: بشار عواد معروف
- ۵: شیخ مقبل بن ہادی الوادعی الیمنی رحمہ اللہ
- ۶: ابوسعید الیربوزی الترمذی
- ۷: الشیخ الصالح عاصم بن عبداللہ القریوٹی
- ۸: الشیخ الصالح الامام وحی اللہ بن عباس المدنی المکی حفظہ اللہ
- ۹: ربیع بن ہادی المدخلی
- ۱۰: شیخ عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ
- ۱۱: حافظ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

ان کے علاوہ شاہ صاحب کے بے شمار تلامذہ تھے اور ہیں جن میں سے مولانا ابو خزیمہ محمد
حسین ظاہری اور راقم الحروف کو بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ پروفیسر میاں محمد یوسف صاحب
نے شاہ صاحب کے بہت سے مناظروں کا تفصیلی ذکر لکھا ہے۔

شاہ صاحب علمائے حق کی نظر میں

التعلیقات السلفیہ کے مصنف مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ہماری جماعت کے فاضل محقق اور سندھ کے نامور راشدی خاندان کے گل سرسبد“

(تقدیر تنقید سدید ص ۷، ۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء)

شاہ صاحب کی تعریف و توثیق پر تمام علمائے حق کا اتفاق ہے اور آپ فی الحقیقت ثقہ امام متقن تھے۔ مولانا محبت اللہ شاہ راشدی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ”ثقہ“ مولانا محمد صدیق بن عبدالعزیز سرگودھوی نے فرمایا: ”عالم محقق“ میں نے مدینہ میں محمد بن ہادی المدخلی سے ان کے گھر میں یہ فرماتے ہوئے سنا: ”ما نسمع عنه إلا خيراً“ ہم ان کے بارے میں خیر ہی سنتے ہیں۔ فالج بن نافع الحر بنی المدنی نے کہا: ”صاحب سنة من أهل الحديث و نفع الله به“ آپ اہل حدیث میں سے، صاحب سنت تھے اور اللہ نے آپ کے ذریعے (لوگوں کو) نفع پہنچایا ہے۔ (انوار السبیل فی میزان الجرح والتعديل ص ۲۶) چند یادداشتیں: شاہ صاحب تصنیف و تالیف (بطور خاص تفسیر قرآن) میں مصروفیت کے باوجود طالب علموں کے لئے وقت نکالتے تھے۔ جو کتاب بھی پڑھاتے ایسا معلوم ہوتا کہ زبردست تیاری کے بعد پڑھا رہے ہیں حالانکہ یہ آپ کے حافظے کا کمال تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا تھا۔ مشکل سے مشکل عبارات آپ کی زبان پر موم ہو جاتی تھیں اور کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا تھا۔ آپ خوارج و تکفیریوں کے سخت مخالف تھے اور مسلک اہل سنت (اہل حدیث) پر مضبوطی سے گامزن تھے۔ شاہ صاحب کی ہر نماز انتہائی خشوع و خضوع والی ہوتی تھی، یہی محسوس ہوتا تھا کہ یہ آپ کی آخری نماز ہے۔

راقم الحروف سے آپ کا رویہ شفقت سے لبریز تھا۔ ایک دفعہ آپ ایک پروگرام میں راولپنڈی تشریف لائے تو کافی دیر تک مجھے سینے سے لگائے رکھا۔

آپ بدیع التفاسیر لکھاتے وقت کا تبوں کو فی البدیہہ کہتے کہ فلاں کتاب لاؤ اور فلاں جگہ سے لے کر فلاں جگہ تک والا حوالہ لکھو۔ عربیت کے تو آپ امام تھے جس کا ایک واضح ثبوت آپ کی احکام والی کتاب وصول الالہام ہے۔

وفات: آپ ۸ جنوری ۱۹۹۶ء بمطابق ۱۶ شعبان ۱۴۱۶ھ بروز منگل رات تقریباً ۹ بجے مسجد راشدی کے قریب کراچی میں ۷۱ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور (پیر جھنڈا) نیو سعید آباد میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ رحمة واسعة آمین (۲۷/۱۲ اپریل ۲۰۰۷ء)

محمد صدیق رضا

اُمّتِ مصطفیٰ ﷺ اور شرک (قسط: ۴)

تیسری مثال: جو اللہ چاہے اور آپ ﷺ چاہیں
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں
حاضر ہوا، بعض کلام میں آپ سے مراجعت کی پھر کہا: ”ما شاء اللہ و شئت“ جو اللہ
چاہے اور آپ چاہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((جعلتني لله عدلاً ما شاء الله وحده))

کیا تو نے مجھے اللہ کا ہمسرہ ٹھہرایا (یا) اللہ کا شریک ٹھہرایا (نہیں اس طرح نہ کہو بلکہ یوں کہو
کہ) جو اللہ اکیلا چاہے۔ (مسند احمد ۳۷۱/۳۷۲ وسند حسن)

ان صاحب نے اپنی گفتگو میں جب اللہ رب العالمین اور نبی کریم ﷺ کی مشیت کو
ملا دیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا قرار دیا اور فرمایا: کیا تو نے
مجھے اللہ کا شریک ٹھہرایا؟ اب جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ شرک صرف تب ہوگا ”جب کسی
کو اللہ کے ساتھ ذات یا صفات کے اعتبار سے بالکل برابر سمجھا جائے۔“ وہ غور کریں کیا ان
صحابی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہم تصور بھی کر سکتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کو اللہ کے بالکل برابر سمجھتے
تھے؟ ہرگز نہیں تو پھر گنجینہ حکمت و بصیرت خاتم نبوت و رسالت ﷺ کا اس بات کو
”شریک ٹھہرانا“ قرار دینا اس کے علاوہ اور کیا واضح کرتا ہے کہ ”شرک صرف یہی نہیں کہ
کسی کو اللہ کے بالکل برابر سمجھا جائے“

امید ہے کہ گزشتہ چند مثالوں سے یہ بات قدرے واضح ہو چکی ہوگی۔ اب تصویر کا
دوسرا رخ ملاحظہ کیجئے کہ فریق ثانی ”شرک“ کی کیا تعریف کرتے ہیں۔
شرک کی غلط تعریف: محمد نجم مصطفائی صاحب شرک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یعنی یوں کہے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں قدیم، ابدی، ازلی، معبود موجود ہے، بالکل اسی طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام یا حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی قدیم، ازلی، ابدی، معبود موجود اور واجب الوجود ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کھلا ہوا مشرک ہے کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کسی غیر کو برابر، ہمسرا اور شریک کر دیا اور یہی برابری یہی ہمسری، یہی شراکت، شرک کی پہلی قسم ہے۔

محترم مسلمانو! میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا، ابدی، ازلی اور واجب الوجود ہے اسی طرح آپ کسی فرشتے، کسی نبی، کسی ولی یا کسی پیر کو ابدی، ازلی اور واجب الوجود مانتے ہیں؟ اگر نہیں مانتے یقیناً آپ کا دامن شرک کی پہلی قسم کی نجاست سے پاک اور صاف اور سورج کی طرح چمکدار ہے۔ آپ ہرگز شرک کرنے والے نہیں۔ آپ پکے اور سچے مسلمان ہیں۔ آپ کے مسلمان ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ آپ کا مشرک ہونا اس وقت ثابت ہوتا جب آپ کسی بھی غیر کو اللہ کی ذات میں شریک کر دیتے۔ جب ذات میں شراکت نہیں تو پھر شرک کیسا۔“

(حق کی تلاش ص ۱۶، ناشر مکتبہ تحقیقات اسلامیہ حنفیہ، فیصل آباد)

اس سے پہلے کہ ہم اس اقتباس کے مندرجات پر غور کریں پھر اس سے متعلق اپنی کچھ معروضات عرض کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب سے متاثر اور اس کے مصدقین کے ”اسماء گرامی“، مختصران کے ”تاثرات“ کے ساتھ عرض کر دیں تاکہ کتاب کی اہمیت واضح ہو جائے تو لیجئے سینے:

① مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، الجامعۃ النظامیہ الرضویہ (لاہور) پاکستان لکھتے ہیں:

”مذکورہ کتاب کو غور سے پڑھا تو آپ کے اندازِ تحریر کو پسندیدہ پایا۔۔۔ یہ اشاعت موجودہ دور کے معیار پر نہ صرف پوری ہے بلکہ ظاہری و باطنی طور پر مزید خوبیوں کی حامل ہے کسی ایجنٹ یا کتب خانہ کے ذریعے ملک بھر میں ہر اسٹال پر یہ کتاب موجود ہے“ (حق کی تلاش ص ۴)

مفتی ہزاروی صاحب کتاب کو غور سے پڑھنے پر جس قدر متاثر ہوئے وہ آپ نے ملاحظہ کیا۔

- ① محمد منشاء تابلش قصوری، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور لکھتے ہیں:
- ”ایسی تصنیف کا ظہور اس کے سامنے سدّ سکندری سے کم نہیں، انداز تحریر جدید ہونے کے باوجود تحقیق سے بھرپور ہے۔۔۔ اس کامیاب کوشش پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں“ (حق کی تلاش ص ۴) واضح رہے کہ ”جامعہ نظامیہ لاہور“ فریق ثانی کی معتبر و مرکزی ”درسگاہ“ ہے۔
- ② ان کے صاحب تصانیف کثیرہ، استاذ العلماء، فیض ملت، علامہ الحاج، مفتی محمد فیض احمد ایسی بہاولپوری لکھتے ہیں: ”موصوف کے رسائل نہایت ہی مفید ہیں“ (ص ۵)
- ③ مفتی عبدالرحمن قمر، ڈائریکٹر آف اسلامک فاؤنڈیشن USA لکھتے ہیں:
- ”میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ کتاب ہر مسلمان کے لئے وقت کی ضرورت ہے“ (ص ۳)
- ☆ شرک کی غلط تعریف کا بطلان

اب اس اقتباس پر غور کیجئے! اس کے مطابق ”شرک“ کب لازم آئے گا؟ جب کوئی شخص ”جس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات میں یکتا، ابدی، ازلی اور واجب الوجود جانتا ہو اسی طرح کسی فرشتے، کسی نبی کسی ولی یا پیغمبر کو بھی ابدی ازلی، قدیم اور واجب الوجود مانتا ہو۔“

اگر کوئی ایسا تصور نہیں رکھتا تو ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ

”اگر نہیں مانتے تو یقیناً آپ کا دامن شرک کی پہلی قسم کی نجاست سے پاک اور صاف اور سورج کی طرح چمکدار ہے، آپ ہرگز شرک کرنے والے نہیں، آپ یکے اور سچے مسلمان ہیں۔“ نجم صاحب کے بقول: ابدی، ازلی اور واجب الوجود وغیرہ ماننے سے ہی ”شرک“ لازم آتا ہے اس لئے سب سے پہلے ان کے معنی جان لینا ضروری ہے۔

- ① ”ابدی“ اس کے معنی ہیں: لازوال جس کی انتہا نہ ہو۔
- ② ”ازلی“ اس کے معنی ہیں: قدیم ہمیشہ سے پایا جانے والا۔
- نجم صاحب نے ان دونوں الفاظ سے متعلق لکھا ہے کہ ”وہ اپنی ذات میں قدیم، ازلی اور ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔“ (حق کی تلاش ص ۱۴)

⑤ ”واجب الوجود“ اس کے معنی نجم صاحب نے کچھ اس طرح بیان کئے ہیں: وہ (اللہ) ”واجب الوجود“ ہے یعنی وہ کسی سے وجود میں نہیں آیا، وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب یا کسی ذرائع کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات میں خود بخود ہے“ (حق کی تلاش ص ۱۴)

اب بقول موصوف کے جب کوئی شخص کسی انسان، فرشتے یا جن سے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو وہ شخص شرک میں مبتلا نہیں ہوتا مشرک نہیں ہوتا۔ ہمیں حیرت اور افسوس بھی ہے کہ موصوف نے یہ سب کچھ کس طرح فرما دیا اور شرک کو ان شرائط کے ساتھ کیسے مشروط کر دیا۔ ان تصورات و شرائط پر ”مشرکین عرب“ کا شرک بھی لازم نہیں آتا، ان شرائط پر تو وہ بھی ”مشرک“ ثابت نہیں ہوتے بلکہ صاف بچ جاتے ہیں۔ وہ کیسے؟ آئیے دیکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾

جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں (شفاعت کے مستحق وہ ہیں) جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں علم بھی ہو اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔

(الزخرف: ۸۶-۸۷)

اس آیت کی تفسیر میں فریق ثانی کے نامور ”مولوی“ سید احمد سعید کاظمی ملتانی صاحب کہتے ہیں: ”علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ یہ آیت بتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین سے متعلق بھی ہو سکتی ہے اور ان کے معبودوں کے متعلق بھی۔“

اسی طرح کاظمی صاحب لکھتے ہیں: ”مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ تم جو بتوں کو پوجا کرتے ہو تو ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وہ کہیں گے اللہ نے پیدا کیا“ (توحید اور شرک ص ۸ مطبوعہ جمعیت اشاعت اہلسنت، نور مسجد، کاغذی بازار کراچی)

اس آیت مبارکہ اور تفسیر بالا سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ”مشرکین“

اپنے ”معبودوں“ کو خالق نہیں بلکہ مخلوق مانتے تھے کہ انھیں اللہ نے پیدا کیا وہ خود سے نہیں تھے۔ ان کے وجود کا سبب اللہ رب العالمین ہے۔

الغرض! ”مشرکین عرب“ کا اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی ”مخلوق“ تسلیم کرنا اور اس بات کا کھلے بندوں واضح اعلان کرنا حتیٰ کہ اپنے ان معبودوں کی مخالفت کرنے والے داعی اعظم محمد ﷺ اور اہل ایمان کے سامنے اور ان کے مقابلے میں پھر خاص طور پر ایسے موقع پر کہ جب وہ ان کے اس ”جواب“ کی روشنی میں ان کے اس مسئلہ پر انھی کے خلاف ”جھٹ“ قائم فرماتے ہیں..... ان کا یہ جواب کہ ”ہمارے ان معبودوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا“ انھیں ”مخلوق“ ہی تسلیم کرنا، اس بات کو واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ ”مشرکین عرب“ اپنے معبودوں کو اپنی ذات میں کیلتا، ”ابدی“، ”لا زوال جس کی انتہا نہ ہو۔“ ”ازلی“، ”قدیم“ ہمیشہ سے پایا جانے والا ”واجب الوجود“ جو کسی سے وجود میں نہ آیا ہو۔ وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب یا ذرائع کا محتاج نہ ہو اور اپنی ذات میں خود بخود ہوا یا نہیں سمجھتے تھے اور نہ اپنے معبودوں سے متعلق ایسا عقیدہ و نظریہ ہی رکھتے تھے۔

اس اعتراف کے باوجود اللہ رب العالمین نے انھیں ”شُرک کی نجاست سے پاک اور صاف اور سورج کی طرح چمکدار“ قرار دینے کے بجائے قرآن مجید میں جگہ جگہ انھیں ”مشرک“ ہی قرار دیا جیسا کہ بکثرت آیات میں اس بات کا ذکر ملتا ہے۔ تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ فریقِ ثانی کی ”مشرک“ سے متعلق عائد کردہ شرائط اور اصول اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اصول کے خلاف ہیں۔

بہر حال فریقِ ثانی کو اگر اپنے اصول پر اصرار ہے تو وہ اعلان کریں کہ ”مشرکین عرب“ بھی ”شُرک کی نجاست سے پاک اور صاف اور سورج کی طرح چمکدار اور ہرگز شرک کرنے والے نہ تھے“ اور اگر وہ نظرِ ثانی اور غور و فکر کے لئے تیار ہوں تو ان پر واضح ہوگا ”شُرک“ کے لئے ”قدیم“، ”ابدی“، ”ازلی“، ”واجب الوجود ماننے کی“ لازمی شرط لگانا قطعاً درست نہیں بلکہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے واضح طور پر غفلت اور عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔

باقی رہا ”شُرک کی اس تعریف“ میں نجم صاحب کا یہ فرمانا کہ
”آپ کا مشرک ہونا اس وقت ثابت ہوتا جب آپ کسی بھی غیر کو اللہ کی ذات میں
شریک کر دیتے جب ذات میں شراکت نہیں تو پھر شرک کیسا؟“ (حق کی تلاش ص ۱۴)
اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف ”شُرک فی الصفات“ کو شرک نہیں سمجھتے اور نہ
ہی صفات میں شرک کرنے والے کو ”مشرک“ قرار دیتے ہیں، ورنہ جناب کا یہ کہنا کیا معنی
رکھتا ہے کہ ”جب ذات میں شراکت نہیں تو پھر شرک کیسا؟“ حالانکہ آگے چل کر خود جناب
نے بھی شرک فی الصفات کا ذکر کیا ہے۔

☆ شرک فی الصفات کی غلط تعریف: نجم صاحب شرک فی الذات کے بعد شرک فی
الصفات کی تعریف میں طبع آزمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”شرک کی دوسری قسم ہے ”شرک فی الصفات“ شرک فی الصفات کے معنی یہ ہیں کہ
جو صفات اللہ جل مجدہ کی بالکل وہی صفات کسی غیر میں بھی شریک کر دی جائیں“ (ص ۱۵)
پھر لکھتے ہیں: ”پس جو کوئی اللہ کی صفاتِ کاملہ کی طرح کسی غیر میں اس کی کسی صفت کو قدیم،
ازلی، ابدی، قدیمی، لامحدود، ذاتی، لامتناہی مانے یعنی وہ یوں کہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا
عالم الغیب ہونا ذاتی، قدیمی، لامحدود، ازلی و ابدی ہے بالکل اسی طرح حضور ﷺ کا غیب داں
ہونا بھی ذاتی، قدیمی، لامحدود، لامتناہی، ازلی و ابدی ہے۔ یا یوں کہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا
.... مختار کل ہونا، رؤف و رحیم ہونا، حاکم ہونا.... قدیمی، ازلی، ابدی، ذاتی اور لامحدود ہے
بالکل اسی طرح حضرت محمد ﷺ کا.... مختار ہونا.... رؤف و رحیم ہونا، حاکم ہونا،.... بھی
قدیمی، ازلی و ابدی، ذاتی اور لامحدود ہے یا کسی بھی غیر میں اللہ جل مجدہ کی صفاتِ کاملہ
شریک کرے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا ”مشرک“ ہوگا۔“ (حق کی تلاش ص ۱۵)

اسی طرح لکھتے ہیں: ”جب بھی کسی بات پر ”شرک“ کا شبہ ہو تو اس ”حقیقت“ پر غور کر لیا
جائے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو واجب الوجود، معبود و مسجود ماننا اور اس کی صفات
کو قدیمی، ذاتی، لامحدود، ازلی صفات رکھنے والا ماننا لازم آتا ہے یا نہیں؟ اگر ان میں سے

کوئی بھی بات لازم آتی ہے تو بے شک وہ بات شرک ہے، اگر ان میں سے کوئی بات لازم نہیں آتی تو اسے ”شرک“ نہیں کہہ سکتے۔“ (حق کی تلاش ص ۱۶) مندرجہ بالا اقتباسات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقِ ثانی کے نزدیک ذات و صفات میں ”شرک“ کے ثبوت کے لئے درج ذیل چند باتیں بالکل لازمی و ضروری ہیں:

① اللہ کی صفت کو اس کے غیر میں ذاتی، قدیمی، ازلی وابدی طور پر مانا جائے۔

② اسی طرح اس غیر میں اس صفت کو لامتناہی و لامحدود مانا جائے۔

③ نیز اس سے غیر کا واجب الوجود و موجود ماننا بھی لازم ہے۔

اگر ان میں سے کوئی بات پائی جائے تو ”شرک“ ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو اس صورت میں شرک بھی لازم نہیں آئے گا۔ ایک بار پھر ہم انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ فریقِ ثانی کی ان شرائط پر تو یہود و نصاریٰ حتیٰ کہ ”مشرکینِ عرب“ تک کا بھی شرک لازم نہیں آتا بلکہ وہ بھی صاف اور واضح طور پر ”شرک“ کے حکم سے با آسانی بچ جاتے ہیں۔ جبکہ قرآن و سنت ان کے شرک میں مبتلا ہو جانے کی خبر دیتا ہے۔

اب معلوم نہیں فریقِ ثانی کو اپنا دفاع مقصود و مطلوب ہے یا یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب کا دفاع پیش نظر ہے!! لیکن یہ امر تو واضح ہے نادانستگی ہی میں سہی پر موصوف نے جو کچھ پیش کیا اور جو اصول و نکات بیان فرمائے ہیں، اس سے تو یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب کا بھی زبردست دفاع ہو جاتا ہے چونکہ قرآن و سنت میں ان سے متعلق جو بعض باتیں نقل ہوئیں اور ان کے جو عقائد بیان ہوئے، وہ کچھ اس طرح سے ہیں کہ موصوف کی ان شرائط یا نکات کی بنا پر ان کا ہر فرد با آسانی ”شرک“ سے بالکل پاک اور سورج کی طرح چمکدار ثابت ہو جاتا ہے اب ان نکات کا قرآن و سنت کی روشنی میں بالترتیب جائزہ لیتے ہیں:

① موصوف کا پہلا ”ارشاد“ جو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی کسی صفت کو اس کے غیر میں جب ذاتی، قدیمی، ازلی وابدی مانا جائے تب شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم قرآن مجید کی آیت اور فریقِ ثانی کی ”مسئلہ علمی شخصیت“

کاظمی صاحب کی نقل کردہ تفسیر سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ”مشرکین عرب“ اپنے معبودوں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلوق سمجھتے تھے، ان کے مخلوق ہونے کا اعتراف کرتے تھے۔ جب وہ ان کی ذات کو ان کے وجود کو ہی ”ذاتی“ ازلی وابدی اور قدیمی نہیں مانتے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان کی صفات کو ”ذاتی“ ازلی، ابدی اور قدیمی مانیں؟ اگرچہ یہی ایک دلیل اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے مگر ہم وضاحت کے لئے بعض دیگر دلائل بھی نقل کئے دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۖ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۖ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۖ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ۝﴾

(اے نبی ﷺ) آپ ان سے کہئے کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ یہ زمین اور جو کچھ زمین پر ہے یہ سب کس کا ہے؟ یہ کہیں گے کہ اللہ کا (تو ان سے کہیں) کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے آپ ان سے کہیں کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ تو یہ کہیں گے کہ اللہ، آپ کہیں کہ تو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں، ان سے کہیں کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ہر چیز پر اقتدار و اختیار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ (ہی) کے لئے ہر چیز پر اقتدار و اختیار ہے (تو آپ ان سے کہئے کہ پھر تم کس جادو کے فریب میں پڑے ہو؟ (المومن: ۸۳-۸۹)

ان آیات مبارکہ میں مشرکین سے سوال کیا گیا کہ بتلاؤ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ ہر چیز پر اقتدارِ کامل، غلبہ تامہ، حکومتِ حقیقیہ کس کی ہے۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا کہ یہ کہیں گے کہ اللہ ہی کی ساری آبادی ہے اور اسی کا ہر چیز پر اقتدار و غلبہ ہے۔

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔ (النساء: ۱۲۲)

ابوالاحمد محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

تریسٹھواں (۶۳) قصہ: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ پر ایک افتراء والا قصہ:

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے کہا:

دمشق میں حنابلہ کے کبار فقہاء میں سے ایک ”تقی الدین ابن تیمیہ“ تھے۔ آپ فنون میں کلام کیا کرتے تھے مگر یہ کہ ان کی عقل میں کچھ تھا۔ اہل دمشق ان کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ ابن تیمیہ منبر پر ان سے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ (یہاں تک کہ ابن بطوطہ نے کہا: میں جمعہ کے دن ان کے ہاں حاضر ہوا۔ وہ جامع کے منبر پر لوگوں سے وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ من جملہ دیگر باتوں کے انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ آسمان سے میرے اس نزول (اترنے) کی طرح نزول فرماتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ منبر کی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی نیچے اترے۔ ایک مالکی فقیہ جو ابن الزہراء کے نام سے معروف تھے، انھوں نے ابن تیمیہ سے اختلاف کیا اور اس بات پر انکار کیا۔ عوام اس فقیہ کے ساتھ ہو گئے اور ابن تیمیہ کی ہاتھوں اور جوتوں سے سخت پٹائی کی، یہاں تک کہ ان کا عمامہ گر گیا۔ (رحلۃ ابن بطوطہ ص ۱۱۲، ۱۱۳) جرح: اس افتراء کا تین طریقوں سے جواب:

اول: اس قسم کے قصے پختہ عزم والوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ انھیں نقل کریں تو ابن بطوطہ کے علاوہ کسی اور نے اسے کیوں نہ نقل کیا؟ حالانکہ اس موقع پر ایک جماعت موجود تھی۔ (یعنی لوگوں کا ایک جم غفیر تھا) ابن تیمیہ کے شاگرد اس کے نقل کرنے سے کہاں رہ گئے بلکہ آپ کے دشمن کہاں رہ گئے؟

دوم: ”نزول“ کے اس مسئلہ پر شیخ الاسلام کا اپنا بیان بڑا ہی واضح ہے، نیز آپ کا اس بات پر انکار بھی جو اس قصہ میں ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ [ابن تیمیہ فرماتے ہیں:]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کی طرح قرار دینا۔ جیسے یہ کہنا: اللہ کا استواء مخلوق کے استواء کی طرح ہے یا اُس کا نزول مخلوق کے نزول کی طرح ہے، اسی طرح دیگر صفات میں تو یہ شخص بدعتی و گمراہ ہے اس لئے کہ عقل کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کو کسی بھی معاملہ میں مخلوقات کی مثل نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(مجموع الفتاویٰ ۲۶۲/۵)

سوم: اس قصہ پر شیخ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ احمد اللہ نے کلام فرمایا..... کہ..... ابن بطوطہ نے اپنے مشہور سفرنامہ میں کہا: ”بعلبک شہر میں میرا دخول دن کو سہ پہر کے وقت تھا اور میرا دمشق کی جانب بہت زیادہ اشتیاق تھا جس کی بنا پر میں بعلبک سے صبح ہی نکل پڑا، رمضان المبارک کی ۹ تاریخ ۷۲۶ء بروز جمعرات شہر دمشق پہنچا اور وہاں مدرسۃ الممالکیہ میں ٹھہرا جو ”الشراپیشیہ“ کے نام سے مشہور تھا.....“ اس کے بعد ابن بطوطہ نے مذکورہ بالا قصہ نقل کیا۔ میں کہتا ہوں: اللہ ہی سے فریاد ہے اس جھوٹے کے مقابلے میں کہ یہ نہ اللہ سے ڈرا اور نہ اس نے اللہ سے حیا ہی کی، حدیث ((إِذَا لَمْ تَسْتَحْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) جب تم میں حیا نہیں تو جو چاہے کرتے پھرو۔ (صحیح بخاری: ۶۱۲۰)

اس قصہ کا جھوٹ ہونا اس قدر واضح ہے کہ اس کے لئے کسی طول بیانی کی ضرورت نہیں، اس بہتان طراز جھوٹے سے اللہ ہی حساب لینے والا ہے، اس کے بیان کے مطابق یہ (۹) رمضان ۷۲۶ھ کو دمشق میں داخل ہوا۔

جب کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس وقت دمشق کے قلعہ میں قید کر دیئے گئے تھے جیسا کہ معتبر اہل علم نے بیان کیا ہے۔ مثلاً آپ کے شاگرد حافظ محمد بن احمد بن عبدالبہادی اور حافظ ابوالفرج عبد الرحمن بن احمد بن رجب نے ”طبقات الحنابلہ“ (۲/۴۰۵) میں شیخ الاسلام کے احوال میں بیان کیا ہے: ”شیخ شعبان ۷۲۶ھ سے ذوالقعدہ ۷۲۸ھ تک قلعہ میں رہے اور ابن عبدالبہادی نے یہ بات زائد بیان کی کہ آپ ۶ شعبان کو قلعہ میں داخل ہوئے۔ اب اس بہتان طراز کی طرف دیکھیں اس کے بقول یہ رمضان ۷۲۶ھ کو ان کے ہاں حاضر ہوا جب

کہ ابن تیمیہ جامع کے منبر پر لوگوں سے وعظ فرما رہے تھے۔
اے کاش! میں جان سکتا (کہ یہ کیسے ہوا؟) کیا جامع دمشق کا منبر قلعہ دمشق کے اندر منتقل ہو
گیا تھا؟ حالانکہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ کو قلعہ میں داخل ہوئے، اس سے باہر نہ نکلے مگر
جنائزہ کی چارپائی پر (یعنی وہیں فوت ہوئے اور وہاں سے آپ کی میت نکالی گئی۔)
اسی طرح حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان فرمایا: ۶ شعبان ۷۲۶ھ کو ابن تیمیہ دمشق
کے قلعہ میں نظر بند کر دیئے گئے۔ نائب سلطنت کی طرف سے ابن تیمیہ کے ہاں اوقاف کا
نمائندہ اور ایک دربان ابن الخطیر حاضر ہوئے، وہ دونوں اُن کے لئے اپنے ساتھ ایک
سواری بھی لائے تھے اور اُن کے سامنے شاہی فرمان پیش کیا آپ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا
اور فرمایا: میں اس کا منتظر تھا، اسی میں بہت بہتری ہے تو وہ تینوں ہی ان کے گھر سے قلعہ کے
پھاٹک کی طرف سوار ہو کر نکلے۔ آپ کے لئے قلعہ کا ایک بڑا کمرہ خالی کر دیا گیا۔ وہاں پانی
مہیا کر دیا گیا اور انھیں اس میں اقامت کا حکم دیا گیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی زین
الدین تھے جو سلطان کی اجازت سے آپ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ انتہی
تو آپ دیکھیں ان کے شاگردوں وغیرہم کی بات کو جو آپ کے حالات سے بخوبی واقف
تھے اور متقی، امین اور دیانتدار تھے، تو آپ پر اس مغربی (ابن بطوطہ) کی غلط بیانی واضح ہو
جائے گی۔ اللہ اس کے ساتھ وہی معاملہ فرمائے کہ جس کا وہ مستحق ہے۔ واللہ اعلم
[اس سے معلوم ہوا کہ ابن بطوطہ سیاح کذاب تھا۔ مشہور مؤرخ ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ)
نے ابن بطوطہ سیاح (متوفی ۷۸۷ھ) کے قصوں کا ذکر کر کے لکھا ہے: ”فتنا جی الناس
بتکذیبہ“ پس لوگوں نے اسے جھوٹا قرار دیا۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸۲، تاریخ ابن
خلدون ص ۹۴) پھر انھوں نے وزیر فارس کو بتایا کہ لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ابن بطوطہ جھوٹا
ہے۔ پھر انھوں نے وزیر فارس سے ابن بطوطہ کا کچھ دفاع نقل کیا لیکن رائج یہی ہے کہ
ابن بطوطہ ساقط العدالت کذاب تھا۔]

اور ان پر ایسے کئی بہتان لگائے گئے اور غلط بیانیاں کی گئیں جن سے وہ بری تھے اور معاملہ وہ

ہے جو کہ آپ کے ایک شاگرد نے شعر میں کہا:

فالبہت عندکم رخیص سعورہ حثوا بلا کیل ولا میزان
بہتان کی قیمت تمہارے ہاں بڑی سستی ہے تو تم بغیر ناپ تول کے یہ جمع کرتے رہو

(قصیدہ نونیہ شرح جہا ۱۸۲/۲)

عرض مترجم: ممکن ہے کہ کسی کو یہ محسوس ہوا ہو کہ اس مقام پر فاضل مؤلف نے شدت و سخت کلامی سے کام لیا ہے تو عرض ہے کہ یہ معاملہ ہی کچھ ایسا ہے۔ اس کی شدت کا اندازہ لگانے کے لئے آپ دیوبندی مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں: ”اب یہاں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے۔ یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ وہ (معاذ اللہ) تشبیہ کے قائل یا کم از کم اس کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اور یہ قصہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ جامع دمشق کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے حدیث باب کی شرح کی اور اس تشریح کے دوران خود منبر سے دو سیڑھیاں اتر کر کہا کہ ”ینزل کنز ولی هذا“ یعنی باری تعالیٰ کا نزول میرے اس نزول کی طرح ہوتا ہے۔

اگر یہ واقعہ ثابت ہو تو بلاشبہ یہ نہایت خطرناک بات ہے، اور اس سے لازم آتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ تشبیہ کے قائل ہیں۔“ (درس ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲)

تو یہ ہے سخت کلامی کی وجہ کہ اس کی وجہ سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے عقائد سے متعلق وہ بات لازم آتی ہے جو بلاشبہ نہایت ہی خطرناک بات ہے۔“

پھر تقی صاحب بھی اس قصہ کی تردید فرماتے ہوئے کہتے ہیں: ”لیکن محققین نے سفرنامہ ابن بطوطہ کی اس حکایت کو معتبر نہیں مانا، جس کی وجہ یہ ہے کہ اسی سفرنامے کے صفحہ ۵۰ ج ۱ پر تصریح ہے کہ ابن بطوطہ جمعرات ۹/ رمضان ۷۲۶ھ کو دمشق پہنچا ہے، حالانکہ علامہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ کے اوائل ہی میں دمشق کے قلعہ میں قید ہو چکے تھے، اور اسی قید کی حالت میں ۲۰/ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو ان کی وفات ہو گئی۔ لہذا یہ بات تاریخی اعتبار سے ممکن نظر نہیں آتی کہ وہ رمضان ۷۲۶ھ میں جامع دمشق میں خطبہ دے رہے ہوں۔“ (درس ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲)

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

”جہاں تک اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہؒ کے صحیح موقف کا تعلق ہے، اس موضوع پر ان کی ایک مستقل کتاب ہے جو ”شرح حدیث النزول“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اور اس میں علامہ ابن تیمیہؒ نے ”تنبیہ“ کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے، مثلاً ص ۵۸ پر لکھتے ہیں:

ولیس نزوله کنزول اجسام بنی آدم من السطح الى الارض بحيث يبقى السقف فوقهم ، بل الله منزہ عن ذلك ، ...“ (درس ترمذی ۲۰۳۲)

یعنی اللہ کا نزول انسانوں کے اجسام کے اس نزول کی طرح نہیں کہ وہ جب زمین کی طرف نزول کرتے ہیں تو وہ چھت کے نیچے ہو جاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

چونسٹھواں (۶۴) قصہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر ذیل بہتان والا قصہ:

محمد زاہد الکوثری نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر ایک من گھڑت قصہ گھڑتے ہوئے کہا:

”ابن حجر راستے میں عورتوں کا پیچھا کیا کرتے تھے۔ عشق بازی کرتے، ایک بار ایک عورت کو خوبصورت سمجھ کر اُس کا پیچھا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئی، وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ عورت نے ان کے سامنے اپنا برف اتار دیا۔ وہ کالی اور بد صورت تھی تو ابن حجر شرمندہ و خجل ہو کر واپس لوٹ پڑے۔“

حوالہ: احمد الغماری نے اپنی کتاب ”بدع التفاسیر“ میں کوثری سے یہ قصہ نقل کیا جیسا کہ ”کشف التواری“ (ص ۹۷) میں ہے (یہی قصہ احمد الغماری نے اپنی کتاب ”بیان تلخیص المفتری“ ص ۵۱ مطبوعہ دار الصمیعی۔ الریاض/ میں بھی نقل کیا ہے۔ مترجم)

دو طریقوں سے اس بہتان کا جواب:

اول: وہ ”صحیح سند“ کہاں ہے جو اس حادثہ پر دلالت کرے؟ چونکہ اسناد (سند کا ہونا) دین میں سے ہے اگر سند نہ ہو تو جس کا جو جی میں آئے کہتا پھرے۔

دوم: الغماری نے کوثری کے اس مذکورہ کلام سے متعلق کہا: ”اس حملہ کا راز یہ ہے کہ حافظ ابن حجر بعض کتب التراجم میں بعض احناف پر کلام فرماتے تھے جیسے ”الدرر الکامنہ“ اور ”رفع البصر“

میں اور علامہ عینی سے متعلق آپ نے فرمایا کہ وہ بعض طلباء سے ”فتح الباری“ کی کاپیاں لے کر اپنی شرح (عمدة القاری) میں اس سے استفادہ کرتے، جب ابن حجر کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے طلباء کو کاپیاں دینے سے منع فرمادیا۔ (کشف التواری ص ۹۷)

میرے فاضل بھائی! اس طرح آپ پر واضح ہو گیا ہو کہ یہ قصہ ”کوثری“ نے خود گھڑ رکھا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ کوثری نے اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے ایسا کیا ہو اور پھر اُس سے تو ابن حجر سے بڑے بڑے بھی محفوظ نہ رہے۔

[ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر الاصبہانی رحمہ اللہ کے بارے میں کوثری نے لکھا ہے کہ
”وقد ضعفہ بلدیہ الحافظ العسال بحق“

”اور اس کو اس کے ہم وطن الحافظ العسال نے ضعیف کہا ہے۔“ (تأنیب الخطیب ص ۴۹، ابوحنیفہ کا عادلانہ دفاع از عبدالقدوس قارن دیوبندی ص ۵۳۔ نیز دیکھئے تأنیب الخطیب ص ۶۹، ۱۴۱، عادلانہ دفاع ص ۱۹۲، ۳۳۳)

حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔ حافظ ابو احمد العسال الاصبہانی رحمہ اللہ سے ابوالشیخ الاصبہانی رحمہ اللہ پر جرح کسی کتاب میں بھی ثابت نہیں ہے۔

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے شیخ محمد نصیف سے انھوں نے شیخ سلیمان الصنعج مدیر مکتبہ الحرم اور رکن مجلس شوریٰ مکہ مکرمہ سے روایت کیا ہے کہ میں کئی دفعہ کوثری کے گھر میں گیا اور کوثری سے اس کے اس دعوے کا حوالہ وثبوت مانگا مگر اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ اگر وہ سچا ہوتا تو ضرور حوالہ پیش کرتا۔ ”والذي يظهر لي أن الرجل يرتجل الكذب ويغالط“ اور میرے سامنے یہی واضح ہوا ہے کہ یہ آدمی فی البدیہ جھوٹ بولتا اور مغالطے دیتا ہے۔ (حافیه التکلیل ج ۱ ص ۳۲)

اس جرح کی سند صحیح ہے لہذا معلوم ہوا کہ زاہد بن حسن الکوثری کذاب تھا۔ [عرض مترجم: احمد الغماری نے اپنی کتاب ”تلبیس بیان المفتری“ میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ”کوثری اس طرح اس پر نازاں ہے اور اپنے پاس بیٹھنے والوں میں سے ہر ایک کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے، ابن حجر رحمہ اللہ کو نیچا دکھلانے کے لئے اور ان کی

عظمت و وقار کو مجروح کرنے کے لئے..... جن سے متعلق کبار علماء نے فرمایا: اس امت پر اسلام کی ہدایت کے بعد ان کا وجود اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ایک احسان ہے۔ آپ وہ شخصیت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد آنے والے ہر عالم پر آپ کا احسان رکھا، ہر فرقہ پرست، حاسد، متعصب اور کینہ پرور کی ناگواری کے باوجود۔ اس طرح کی باتوں کو پھیلانے والا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتا مگر یہ کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے گروہ میں شامل کرتا ہے کہ جو جھوٹے ہیں اور ایمان والوں کے درمیان فحاشی پھیلانا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَنَّمَا يُفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾

جھوٹ تو وہ گھڑتے ہیں جو کہ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے۔ (سورۃ النحل: ۱۰۵)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ (النور: ۱۹) اے کوثری! تم خود ہی اپنی کتاب ”تائیب“ میں اس بات کے قائل یا ناقل ہو کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس طرح کی باتوں سے کسی مسلم کی عزت بے آبرو کر دے۔ تو مسلمانوں کے ائمہ میں سے کسی ثقہ و صالح امام کی عزت مجروح کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اب آپ خود اپنی اس تحریر کے برخلاف کس مقام پر ہیں؟

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾

اللہ کے نزدیک یہ بڑی ہی بُری بات ہے کہ جو تم کہو اس پر عمل نہ کرو۔ [الصف: ۳]

کیا عقل اس کی تصدیق کرتی ہے یا کوئی منطق اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ حافظ ابن حجر جو کہ شیخ الاسلام، قاضی القضاة، امام العصر، احفظ الحفاظ، اپنے دور میں اس عظیم مقام کے حامل اور شان و شوکت اور جلالت ایسی جو بادشاہوں کی جلالت پر غالب آجاتی، وہ عظیم شخصیت سڑکوں پر ایسی اچھی اور گھٹیا حرکات کرتے پھریں؟ (ہرگز نہیں، ہرگز نہیں) “

(تلبیس بیان المفتری ص ۵۱ تا ۵۲)

حافظ شیر محمد

سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے محبت

(۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو صحابیوں کا خاص طور پر نام لیا ہے: سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔

ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو تعجب ہو کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کس طرح صحابی بن گئے؟ عرض ہے کہ صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے دنیاوی زندگی کے ساتھ حالت ایمان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا۔ لوگوں کو آپ انجیل کی تعلیم اور آنے والے نبی (احمد یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوش خبری دیتے تھے۔ کافروں نے آپ کو شہید کرنے کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو آسمان پر اپنے پاس اُٹھالیا۔ کافروں نے ایک دوسرے آدمی کو صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیا جس کی شکل سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہ ہو گئی تھی۔ یہود و نصاریٰ اپنی حماقت و جہالت کی وجہ سے یہ عقیدہ گھڑ بیٹھے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھا کر قتل کر دیئے گئے تھے، حالانکہ یہ عقیدہ سراسر باطل اور بہت بڑا جھوٹ ہے۔ حق صرف یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی ہرگز نہیں دی گئی بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اُٹھالیا۔

مشہور جلیل القدر تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

”وَاللّٰهُ اِنَّهٗ الْاَن لَحَيٍّ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اِذَا نَزَلَ اٰمَنُوْا بِهِ اَجْمَعُوْنَ“ اللہ کی قسم!

وہ (عیسیٰ) اب اللہ کے پاس زندہ ہیں لیکن جب آپ نازل ہوں گے تو سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ (تفسیر ابن جریر الطبری ۱۴/۶، سند صحیح، دوسرا نسخہ ۳۸۰/۹ ح ۱۰۷۹۸، سند صحیح)

مشہور عالم اور متکلم ابوالحسن الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) اپنی مشہور کتاب میں فرماتے ہیں:

”وَأَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ أَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ رَفَعَ عِيسَى إِلَى السَّمَاءِ.“

اور اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔

(الابانہ عن اصول الدیانہ ص ۳۴ دوسرا نسخہ ص ۱۲۴)

اس مناسبت سے دس احادیث اور دس آثار پیش خدمت ہیں:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوالقاسم الصادق المصدوق (رسول اللہ ﷺ) کو فرماتے ہوئے سنا: ((يُخْرِجُ الْأَعْوَرُ الدِّجَالَ مَسِيحَ الضَّلَالَةِ قَبْلَ الْمَشْرِقِ فِي زَمَنِ اخْتِلَافٍ مِنَ النَّاسِ وَفِرْقَةٍ، فَيَبْلُغُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَبْلُغَ مِنَ الْأَرْضِ فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا، اللَّهُ أَعْلَمُ مَا مَقْدَارُهَا؟ فَيَلْقَى الْمُؤْمِنُونَ شِدَّةً شَدِيدَةً، ثُمَّ يَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ فَيَقُومُ النَّاسُ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ رُكْعَتِهِ قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ، قَتَلَ اللَّهُ الْمَسِيحَ الدِّجَالَ وَظَهَرَ الْمُؤْمِنُونَ.)) إلخ

لوگوں کے اختلاف و تفرق کے دور میں مشرق کی طرف سے مسیح ضلالت: کا نادر دجال نکلے گا پھر چالیس دنوں میں جہاں اللہ چاہے وہ زمین پر پہنچے گا، اس کی مقدار اللہ ہی جانتا ہے۔ پس مومنوں کو بہت زیادہ تکلیفیں پہنچیں گی پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ پھر لوگ (نماز کے لئے) کھڑے ہوں گے، جب آپ رکوع سے سر اٹھائیں گے تو فرمائیں گے: اللہ نے اس کی سن لی جس نے حمد بیان کی، اللہ نے مسیح دجال کو قتل کر دیا اور مومنین فتحیاب ہو گئے۔ (کشف الاستار عن زوائد البرزخ ص ۱۲۲ ج ۳ ص ۹۶ و سندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نزول مسیح کی دوسری روایات کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحديث: ۳

ص ۲۰-۲۶، ص ۳۵-۴۲، ص ۶۲-۲۳-۲۵

معلوم ہوا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نزول مسیح کی روایات متواتر ہیں۔

تنبیہ: درج بالا حدیث سے دیگر مسائل کے ساتھ دواہم باتیں واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں:

(۱) عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

(۲) نبی اور رسول کے ساتھ ﷺ لکھنا اور کہنا دونوں طرح صحیح اور مسنون ہے۔

② سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پھر عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہو جائیں گے تو مسلمانوں کا امیر (امام مہدی) ان سے کہے گا: آئیں ہمیں نماز پڑھائیں۔ وہ کہیں گے: نہیں، تم ایک دوسرے کے امیر ہو، اللہ نے اس امت کو یہ بزرگی بخشی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۵۶/۲۳۷، الحدیث: ۶ ص ۲۵)

یاد رہے کہ پہلی نماز تو امام مہدی پڑھائیں گے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے لیکن دوسری نمازیں خود عیسیٰ علیہ السلام پڑھائیں گے جیسا کہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے لہذا احادیث صحیحہ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

③ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ طویل حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچانک عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا۔ وہ زرد رنگ کی دو چادریں لپیٹے ہوئے، اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے، شہر دمشق کے سفید منارہ کے پاس اتریں گے۔ الخ

(صحیح مسلم: ۲۹۳۷، نیز دیکھئے الحدیث: ۶ ص ۲۶)

اس صحیح حدیث سے بھی کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں جن میں سے دو مسئلے درج ذیل ہیں:

(۱) مسجدوں میں منارے بنانا جائز ہے۔

(۲) زرد کپڑے پہننا جائز ہے۔

④ سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید منارہ کے پاس نازل ہوں گے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۱/۲۱۷ ح ۵۹۰ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے الحدیث: ۶ ص ۲۶)

⑤ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال میری امت میں نکلے گا اور چالیس تک رہے گا۔ (راوی کہتے ہیں:) میں نہیں جانتا کہ چالیس دن فرمایا یا چالیس مہینے یا چالیس سال پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا گویا وہ عروہ بن مسعود ہیں۔ وہ دجال کو تلاش کر کے اسے ہلاک کر دیں گے پھر سات سال تک لوگ اس طرح رہیں گے کہ دو شخصوں کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۲۹۴۰، الحدیث: ۶ ص ۲۷)

① سیدنا ابوسریحہ حدیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں قیامت نہ ہوگی۔ پھر آپ نے ان کا ذکر فرمایا: دھواں، دجال، دابہ، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، عیسیٰ بن مریم ﷺ کا نازل ہونا، یا جوج و ماجوج کا نکلنا، تین جگہ سے زمین کا دھنس جانا ایک مشرق میں، ایک مغرب میں، اور ایک جزیرۃ العرب میں اور سب سے آخر میں آپ نے اس آگ کا ذکر کیا جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانک کر ان کے محشر کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم: ۲۹۰۱، الحدیث: ۶۰ ص ۲۸)

④ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور وہ اسے (دجال کو) قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد وہ زمین میں چالیس سال تک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے۔

(مسند احمد: ۵/۶۷۷ ح ۷۲۹۷۱ و سندہ حسن، الحدیث: ۶۰ ص ۲۸)

⑧ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو جب معراج ہوئی تو آپ نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے ملاقات کی اور باہم قیامت کا تذکرہ ہوا۔ سب نے ابراہیم (علیہ السلام) سے قیامت کے بارے میں سوال کیا لیکن انھیں کچھ معلوم نہ تھا پھر موسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیا تو انھیں بھی کوئی علم نہ تھا پھر عیسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: میرے ساتھ قیامت سے قبل (نزل کا) وعدہ کیا گیا ہے لیکن اس کا وقت اللہ کو ہی معلوم ہے۔ عیسیٰ (علیہ السلام) نے دجال کے خروج کا ذکر کیا اور فرمایا: میں نازل ہو کر اسے قتل کروں گا۔“ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۸۱ و سندہ حسن و صحیح الحاكم ۲/۳۸۴ ووافقه الذہبی)

اس حدیث کے راوی مؤثر بن عفازہ ثقہ و صدوق ہیں لہذا بعض الناس کا انھیں مجہول قرار دینا غلط ہے۔ اس حدیث سے دو بڑے مسئلے ثابت ہوتے ہیں:

(۱) بنی اسرائیل والے سیدنا عیسیٰ بن مریم الناصری علیہ السلام ہی نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے۔

(۲) سوائے اللہ کے قیامت کا علم کسی کو بھی نہیں ہے۔

[باقی آئندہ شمارے میں۔ ان شاء اللہ]

احسن الحديث

﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا﴾

فقہ القرآن: ① صورسینگ کو کہتے ہیں، اس سے وہ صور مراد ہے جسے منہ میں لئے ہوئے فرشتہ کھڑا ہے کہ کب حکم ہو تو اس میں پھونک مار دے اور قیامت بپا ہو جائے۔ اسی طرح دوبارہ زندہ کرنے کے لئے بھی صور پھونکا جائے گا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: صورسینگ کو کہتے ہیں جس میں پھونک ماری جائے گی۔ (سنن ابی داؤد: ۴۷۴۲ وسندہ حسن وحسنہ الترمذی: ۳۲۴۳ صحیح ابن حبان: ۲۵۷۰ والحاکم ۵۰۶/۲، ۵۶۰/۴، ووافقہ الذہبی) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صورسینگ کی طرح ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔

(مسند مسدد/المطالب العالیہ: ۴۵۳۵ وسند صحیح وقال ابن حجر: ”صحیح موقوف“ کتاب الاہوال لابن ابی الدنیا: ۴۷ وسند صحیح)

⑤ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سے صور پھونکنے والے فرشتے کو مقرر کیا گیا ہے، اس نے آنکھ نہیں چھپکائی، وہ اس خوف سے عرش کی طرف دیکھ رہا ہے کہ کہیں نظر چھپکانے سے پہلے حکم نہ دے دیا جائے، اس کی آنکھیں دوستاروں کی طرح چمک رہی ہیں۔ (کتاب العظمتہ ۳/۸۴۳، ۸۴۴ ح ۳۹۱ وسندہ حسن) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت موقوفاً مروی ہے۔ (دیکھئے کتاب الاہوال: ۵۰ وسندہ حسن)

(۳) صور میں دو دفعہ پھونک ماری جائے گی: ایک دفعہ قیامت کے لئے اور دوسری دفعہ دوبارہ زندہ کرنے کے لئے۔ دیکھئے سورۃ الزمر (۶۸) صحیح بخاری (۴۸۱۴) اور صحیح مسلم (۲۹۵۵) آیت مذکورہ میں فقہ ثانیہ (دوسری دفعہ صور پھونکا جانا) مراد ہے۔

۴) قیامت کے دن ہر گروہ اپنے رسول یا اپنے امام و سربراہ کے ساتھ آئے گا جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

۵) قیامت اچانک آئے گی جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

کلمۃ الحدیث

بدشگونی اور نحوست کچھ بھی نہیں ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا طيرة)) کوئی بدشگونی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۷۵۴، صحیح مسلم: ۲۲۲۳، ترقیم دارالسلام: ۵۷۹۸)

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ((لا شؤم)) کوئی بدشگونی اور نحوست نہیں ہے۔ (سنن الترمذی:

۲۸۲۴ وسندہ حسن، سلیمان بن سلیم الشامی ثقہ واسماعیل بن عیاش حسن الحدیث عن الشامیین وهو بری من التدلیس)

معلوم ہوا کہ دین اسلام میں بدشگونی اور نحوست کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بعض نا سمجھ اور

جاہل لوگوں کی مت ماری ہوئی ہے جو اپنے دل و دماغ میں بدشگونیوں اور نحوست کے جال

بچھائے بیٹھے ہیں۔ توہمات کی دنیا میں رہنے والے کبھی یہ سمجھتے ہیں کہ آج فلاں منحوس آدمی

ہمارے سامنے آگیا تھا لہذا آج کا دن بہت خراب رہے گا، کبھی یہ کہتے ہیں کہ اگر منگل یا بدھ

کے دن کوئی سفر یا کام شروع کیا تو بہت نقصان ہوگا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ صفر کے مہینے میں

بڑی نحوست اور ”تیرہ تیزی“ ہوتی ہے جس کی وجہ سے چیزیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ بعض یہ سمجھتے

ہیں کہ دو عیدوں کے درمیان شادی کرنا غلط ہے۔ ان وہمی لوگوں کی یہ ساری باتیں فضول

ہیں اور قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ تزوج جنی رسول اللہ ﷺ فی

شوال و بنی بی فی شوال۔ ”رسول اللہ ﷺ نے شوال (کے مہینے) میں مجھ سے

شادی کی اور شوال میں ہی میری رخصتی ہوئی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۳، النسائی: ۷۶۰۶ ح ۳۲۳۸ وسندہ صحیح)

شوال کا مہینہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیان ہے لہذا دو عیدوں کے درمیان شادی نکاح نہ

کرنے کا تصور اس صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

جن روایتوں میں عورت وغیرہا کے بارے میں نحوست کا ذکر آیا ہے، ان سے یہ اصطلاحی

نحوست مراد نہیں بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ دنیا میں عام قتل و فساد عورت، جائیداد اور

گھڑسواروں (فوج) کی وجہ سے ہوتا ہے۔